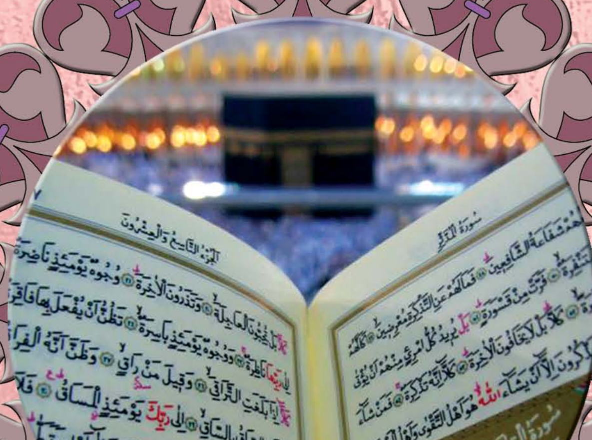
قرآنی ہدایت



مولانا محمد سلیمان طاہر انڈھڑ

قرآنی ہدایت

مولانا محمد سلیمان طاہر انڈھڑ

حکمتِ قرآن اِنسٹیٹیوٹ

قرآنی ھدایت

مولف

مولانا محمد سلیمان طاہر انڈھڑ

اشاعت اول: 2011ء
کمپیوٹر لے آؤٹ: ندیم احمد سولنگی
طابع: ذکی سنز پرنٹرس کراچی
ناشر: حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ کراچی

ہدیہ: =/150 روپے

ایڈریس:
حکمتِ قرآن اِنسٹیٹیوٹ
6 سندھی جماعت کوآپریٹو سوسائٹی، جوگی موڑ بس اسٹاپ
نیشنل ہائی وے کراچی۔ 75030
رابطے کیلئے 021-35000278
0300-2707097
Email: hikmatequran@gmail.com
web: www.hikmatequran.org

فہرست

قرآن مجید خود سمجھنے اور دوسروں تک پہنچانے کیلئے ہے!

قرآن مجید کے مطابق زندگی گذارنے کے مقصد میں یہ بات بھی ضروری اوراہم ہے کہ اپنے ماحول کے تمام انسانوں تک اس کا پیغام پہنچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ پر جیسے ہی پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ بات دوسروں تک پہنچائی جائے۔ پھر دوسری وحی جو نازل ہوئی تو اس میں صاف طرح ارشاد فرمایا گیا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴿۲﴾ (المدثر:۱تا۲)

"اے چادر اوڑھ کر سونے والے: (اب سونے کا وقت نہیں رہا) اٹھیے! پھر لوگوں کو غلط کاموں کے برے انجام سے خبر دار کیجئے!"

اس طرح کئی بار حضرت رسول اکرم ﷺ پر واضح کیا گیا کہ قرآن مجید کو دوسروں تک پہنچانا انکو ہدایات سے واقف کرنا اوراس کی تشریح کرنا آپ کی اولین ذمہ داری اورآپ کی زندگی کا مشن ہے۔

(الفرقان:۱)،(الانعام:۱۰۵)،(المائدہ:۶۷)

حضرت رسول اکرم ﷺ کے پیروکار اور اللہ کی کتاب کے حامل ہونے کی حیثیت میں یہی مشن اب ہماری بھی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ ہمارے پاس قرآن مجید کی موجودگی کی تقاضا یہ ہے ہم سب سے پہلے اس قرآن مجید کو خود سمجھیں پھر اسکو دوسروں تک پہنچائیں۔ قرآن مجید کو ماننے اور سمجھنے کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اسکو دوسروں تک پہنچائیں۔ اسکو عالم انسانیت تک واضح کریں۔ یہ کتابِ ہدایت چھپا کر رکھنے کی چیز نہیں ہے۔ اہل کتاب سے بھی یہ وعدہ لیا گیا کہ وہ کتاب الٰہی کو انسانوں تک پہنچائیں گے اسکو چھپانے کی کوشش نہیں کرینگے۔ پھر انہوں نے کتاب کو پہنچانے سے انحراف کیا۔ دنیا کے مال ومتاع پر اس کو فروخت کرتے رہے۔ کتنابرا کاروبار تھاجو وہ کرتے رہے۔(آل عمران:۱۸۷)

اگر تمہارے پاس کوئی ہدایت موجود ہے، تو اس کی روشنی پھیلنے چاہیئے۔ اگر تمہارے سینے میں کوئی آگ موجود ہے تو اس کی تپش دوسروں تک بھی جانی چاہیئے۔ جو انسان چند دنیوی مفادات اور تھوڑے منافع کی خاطر کتاب الٰہی پر سودے بازی کرتے ہیں وہ درحقیقت جہنم کی آگ اپنے لئے اختیار کررہے ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گا کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرہ:۱۷۴)

"جولوگ ان احکام کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں، چھپاتے ہیں اور اس ک "تمان حق" کے بدلے دنیا کے حقیر فائدے خریدتے ہیں تو یقین کرو! یہ لوگ ہیں جو آگ کے شعلوں سے اپنا پیٹ بھر رہے

ہیں، کیوں کہ یہ کمائی ان کے لئے آتش دوزخ کے شعلے بننے والی ہے۔ قیامت کے روز یہ اللہ کے خطاب سے محروم رہیں گے۔ وہ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہو گا۔"

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ (البقرہ: ۱۵۹)

"جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ دنیا کے خوف یا طمع کی وجہ سے ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو سچائی کی روشنیوں اور رہنمائیوں میں سے ہم نے نازل کی ہیں باوجودیکہ کہ ہم نے انہیں کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تو یقین کر لو ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنتیں بھی ان کے حصہ میں آتی ہیں۔"

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (البقرہ: ۱۶۰)

"ہاں مگر توبہ کا دروازہ ہر گناہ کے بعد کھلا ہوا ہے پس جن لوگوں نے اس گناہ سے توبہ کر لی اور اپنی بگڑی حالت کو سنوار لیا اور ساتھ ہی احکام الٰہی کو چھپانے کے بجائے ان کو بیان کیا تو ایسے لوگوں کی توبہ ہم قبول کر لیتے ہیں اور ہم بڑے ہیں در گذر کرنے والے اور رحمت سے معاف کرنے والے ہیں۔"

اب ہم اپنے آپ کو دیکھیں! اس دور کے مسلمانوں کو دیکھیں! اس حقیقت کے باجود کہ دن رات لاکھو مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ مگر اس سے زندگی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ہمارے حالات وہی جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔ صورتحال میں فرق کیوں نہیں آتا اس لئے کہ ہم کتاب کو پڑھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ اگر سمجھ بھی لیتے ہیں تو اسکو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر زبان سے اقرار بھی کر لیا مگر عمل کرنے سے کوسوں دور کھڑے ہیں۔ کچھ لوگ اگر عمل بھی کرتے ہیں تو ایک تھوڑے سے حصہ پر مگر سارے قرآن پر عمل کرنے سے جی چراتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی قرآن سے اکثر حصے کو چھپا دیتے ہیں اور خاص طور پر اپنے مفادات کے خلاف احکامات کو تو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑا قرآن مجید کتنی واضح بات کہتا ہے کہ:

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ (البقرہ: ۷۷ تا ۷۹)

"کیا یہ نہیں جانتے کہ معاملہ انسان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے اور اللہ کے علم سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں؟ وہ جو کچھ چھپا رکھتے ہیں اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی ان کے سامنے ہے۔ پھر ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو ان پڑھ ہیں اور جہاں تک کتاب الٰہی کا تعلق ہے تو وہ لوگ تو صرف خواہشات اور آرزوؤں کے سوا کچھ نہیں جانتے اور وہ خوش گمانیوں میں مبتلا رہے ہیں۔ پھر ان پر افسوس ہے جن کا شیوہ ہی یہی ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں یعنی اپنی رائے اور خواہش کے مطابق احکام شرع کی کتابیں تصنیف کرتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ یعنی اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ کتاب کے حکام

ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے بدلے میں ایک حقیر سی دولت حاصل کرلی جائے۔ افسوس ان پر جو ہاتھ سے لکھتے ہیں اور افسوس ان پھر جو اس ذریعہ سے کماتے پرتے ہیں۔"

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

(البقرہ: ۸۵)

"یہ اس لئے ہے کہ تم کتاب الٰہی کا کچھ حصہ تو مانتے ہو اور کچھ حصہ سے منکر ہو! پھر بتلاؤ تم میں سے جن لوگوں کی یہ صورتحال ہو انہیں پاداش عمل میں اس کے سوا کیا مل سکتا ہے کہ دنیا میں ذلت ورسوائی اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب! یادرکھو اللہ کا قانون جزا تمہارے کاموں سے غافل نہی ہے۔"

ہمارے ذہنوں میں کوئی شک نہیں رہنا چاہیئے کہ اگر ہم قرآن مجید کے حامل ہونے کی حیثیت میں تبلیغ قرآن کی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے تو ہم قرآن کا کوئی حق ادا نہیں کررہے۔ یہ ذلت وخواری، یہ نکبت وبربادی، یہ غلامی اورافلاس، یہ دردر کی ٹھوکریں اور دوسری اقوام کے طعنے اورانکے پاس کاسہ گدائی لے کر پھرنے کی بے غیرتی جو ہمارے حصہ میں آئی ہے، یہ سب کچھ قرآن کے مشن سے انحراف کی سزا ہے۔ "سنت اللہ" میں کبھی تبدیلی نہیں آتی ہم کو "سنت اللہ" سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعہ عروج وزوال کی تاریخ تبدیل کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے کہا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۗ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۗ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (المائدہ: ٦٦)

"اگر تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اسکو قائم کرتے اوراس پر عمل کرتے رہتے اوراپنے اعمال اسکے مطابق ڈالتے رہتے تو تم پر آسمان اورزمین سے برکتیں نازل ہوتیں۔ مگر تم نے اس سے انحراف کیا۔"

ہم قرآن مجید کا کتنا بھی علمی اور فکری معیار قائم کرلیں مگر اس سے فیضیاب نہیں ہوسکتے۔ ہمارے حالات تبدیل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ہم قرآن مجید پر پوری طرح عمل نہ کریں۔ اس کی پوری پوری اتباع نہ کریں۔ یہی اس کا حق ادا کرنا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اگاہ فرمایا ہے کہ:

کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ بعض عبادات میں مشغول ہوں گے۔ تلاوت اور تفکر میں بھی مصروف ہوں گے مگر عمل اوراطاعت کا حق ادا نہیں کریں گے تو ایسے لوگوں کے دل میں ایمان نے کوئی جگہ نہیں حاصل کی۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت کی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتے۔

سیدھی راہ کون سی ہے؟

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ (الفاتحہ)

(خدایا!) ہم پر (سعادت کی) سیدھی راہ کھول دے۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔ ان کی نہیں جو پھٹکارے گئے اور نہ ان کی جو راہ سے بھٹک گئے۔"

قرآن مجید کی ابتدا ایک دعا سے کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی زبانی یہ دعا سکھائی ہے۔ تاکہ خدا کے بندے اس دعا کو ہر نماز میں بار بار پڑھتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہیں۔ یہ سورہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہے یا اس سورہ کی تشریح پور قرآن مجید ہے

توحید، رسالت، آخرت، عبادت، استعانت، سیدھی راہ، سنت اللہ، انعامات، ضلالت، عذاب کی شکلیں قوموں کی تاریخ اور قرب الٰہی کے مدارج وغیرہ اس سورہ میں مختصر طور پر بیان ہوئے ہیں۔ سورہ فاتحہ عظیم معجزہ اور کلام الٰہی ہونے کا بین ثبوت ہے۔ اس لئے فرمایا گیا: وَلَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ بے شک ہم نے بار بار دہرانے والی سات آیتوں کی سورۃ (سورۃ فاتحہ) اور پورا قرآن عظیم آپ کو عطا فرمایا ہے۔

سورہ فاتحہ کی ابتدا میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد بیان کی گئی ہے۔ تمام تعریفیں، تمام اوصاف عالیہ اور تمام کمالات فقط اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں، تمام مخلوقات اور تمام اقوام کو پالنے والا ہے۔ وہ نہایت مہربان اور بے انتہا رحمت کرنے والا ہے۔ وہی فیصلے والے دن کا بااختیار مالک ہے۔ اسلئے ہم اس کی اور فقط اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے سامنے جھکتے ہیں۔ فقط اسی سے تمام حاجات اور تمام مصائب اور مشکلات میں مدد مانگتے ہیں۔ اس کے سوا نہ کسی کی عبادت کریں گے اور نہ ہی کس سے مدد طلب کرینگے۔ دعا مانگنے سے پہلے لازمی ہے اور یہی بات دعا کے آداب اور اس کی قبولیت میں اہم حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز طلب کرنے سے پہلے اسکی خوب حمد کی جائے۔ اب باری تعالیٰ سے ایک عرض، ایک دعا، ایک سوال کیا گیا ہے یہی سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ عبادت کرنے (نماز ادا کرنے) کا بھی یہی بنیادی مقصد ہے کہ خالق کائنات سے بھی یہ بات طلب کی جائے۔ وہ سوال یہ ہے۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ

ہمیں سیدھا راستہ دکھلا دیجئے! سیدھی راہ پر چلایئے! سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھیئے! آگے سیدھے راستہ کی مثبت اور منفی تشریح کی گئی ہے۔ یعنی ایسا راستہ ہونا چاہیئے اور ایسا راستہ نہیں ہونا چاہیئے۔

وہ راستہ وہی ہو جس راستہ پر منعم علیہم لوگ چلے ہیں، جو ان کیلئے پسند کیا گیا تھا، جس پر وہ ثابت قدم رہ کر تیرے انعامات کے حقدار ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ کون تھے؟

انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، ان کے راستہ پر چلنے کیلئے آپ کی توفیق ہمیں درکار ہے۔ اسکے برخلاف ان لوگوں کے راستہ سے ہمیں محفوظ فرما، اس راستہ سے ہمیں دور رکھ جس پر تیر غضب ہوا اور جو

گمراہ ہوکر بھٹک گئے! غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

دنیامیں عام طور پر ایسی دو ہی قومیں رہتی آئی ہیں ایک وہ جو دین کو سمجھنے کے بعد انکار اور نافرمانی کاراستہ اختیار کرتی ہیں دوسری ایسی جو جہالت اور نادانی میں پڑ کر بدبخت اور محروم بن جاتی ہیں۔ ہدایت سے محروم ایسی دونوں قوموں سے نجات حاصل کرنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں یہود کی مثال اور الضَّآلِّيْنَ میں عیسائیوں کی مثال فقط نمونے کے طور پر مفسرین نے دی ہے کیونکہ یہ قومیں بھی اسکا مصداق ہیں۔ مگر اس اصول کلیہ اور "سنت اللہ" میں وہ سب قومیں شامل ہیں جو ہدایت اور ضلالت کے اس معیار کے تحت، انکار، انانیت، جہالت، حد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو کر غضب کا شکار ہوئی ہیں یا گمراہ ہو کر اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں۔

دلوں پر مہر کب لگتی ہے؟

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (البقرہ: ٦ تا ٧)

"لیکن وہ لوگ جنہوں نے (ایمان کی جگہ) انکار کی راہ اختیار کی (اور سچائی کے سننے اور قبول کرنے کی استعداد کھو دی) تو (ان کیلئے ہدایت کی تمام صدائیں بیکار ہیں) تم انہیں (انکار حق کے نتائج سے) خبر دار کرو یا نہ کرو وہ ماننے والے نہیں۔ ان کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگادی اور انکی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا سو (وہ کبھی ہدایت نہیں پاسکتے) ان کیلئے عذاب جان لینے والا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اس گروہ کا ذکر ہے جو اہل ایمان کے مقابل کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ انکو اسلام کی صداقت پر کتنے بھی دلائل فراہم کرو مگر وہ ضد اور انانیت کی وجہ سے صرف انکار اور تکذیب کا راستہ ہی اپناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو جو عقل و شعور عطا کیا ہے اور جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں یہ لوگ اس سے کام نہیں لیتے بلکہ انکو مسخ کرر کھا ہے، مسلسل انکار اور انانیت پر قائم ہونے کی وجہ سے قبول حق کی استعداد کمزور پر جاتی ہے۔ پھر بات سننا، غور کرنا اور متوجہ ہونا، یہ سب کچھ ان سے سلب ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے کہا گیا ہے کہ ان کو ڈرانا برابر ہی ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کی آرزو تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اسلام کے دائرہ میں آجائیں مگر رسول اللہ ﷺ کو بتایا جارہا ہے کہ ان کی استعداد ختم ہو چکی ہے۔ ان کے اپنے رویوں کی وجہ سے اس درجہ پر یہ لوگ پہنچ چکے ہیں، کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور اب یہ ایمان نہیں لائینگے۔

"یہ لوگ ایمان نہیں لائینگے۔" یہ خدا کا فیصلہ اور مشیت نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا علم ہے۔ خدا کی مشیت تو یہی ہے کہ لوگ ایمان قبول کریں۔ مگر اس کا علم یہ بتاتا ہے کہ ان لوگوں نے قبول حق کا استعداد ختم کر دیا ہے اور ان سب صلاحیتوں کو مسخ کر دیا ہے، جو دعوت حق کے قبول کرنے کیلئے لازمی ہیں اس وجہ سے یہ راہ راست پر نہیں آسکتے۔

اس آیت سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و بصیرت کو ہمیشہ کام میں لانا چاہیئے۔ ہر

معاملہ پر غور وفکر کرنے چاہیئے۔ کس بات کو سننے اور سمجھنے کے لئے دل کے دروازے بند نہیں کرنے چاہیئے۔ ورنہ اس بات کا خطرہ ہے کہ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت اور نعمت ہم سے چھین نہ لی جائے۔

قرآن کا بنیادی پیغام

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ
(البقرہ: ۲۱)

"اے افراد نسل انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو (اس پروردگار کی) جس نے تمہیں پیدا کیا ،اوران سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اور اس لیے پیدا کیا) تاکہ اس کی نافرمانی سے بچو۔"

قرآن مجید کی اس بنیادی آیت کریمہ میں غور وفکر کی کئی باتیں پنہاں ہیں۔ سب سے پہلے اس ربانی ارشاد میں خطاب کا یہ انداز اپنا گیا ہے کہ فرمایا گیا: "يَاَيُّهَا النَّاسُ" اے میری قوم۔ اے عربوں وغیرہ نہیں کہا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا خطاب تمام انسانیت سے ہے۔ یہ کتاب تمام انسانوں کیلئے منشور ہدایت ہے۔ اس میں عرب، غیر عرب، مشرق و مغرب میں رہنے والے انسانوں کی تمیز نہیں ہے۔ یہ خطاب صرف ان لوگوں کیلئے بھی نہیں جو قرآن کے نازل ہونے کے وقت دنیا میں موجود تھے بلکہ وہ لوگ بھی قرآن کے مخاطب ہیں جو بعد میں پیدا ہوں گے اور قیامت تک آتے رہیں گے۔

تیسری بات یہ قابل غور ہے کہ یہ نہیں کہا گیا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ بلکہ کہا گیا کہ رب کی عبادت کرو۔ اس ذات قدوس کو صرف ماننا ہی ضروری نہیں بلکہ اس کی عبادت کرنا بھی لازمی ہے۔ پھر عبادت صرف چند رسوم کی ادائیگی تک محدود نہیں بلکہ پوری زندگی میں خدا کی ہدایات کے مطابق عمل کرنے کا نام عبادت ہے۔ فقط مسجد میں سجدے کر کے بندے نہ بنو مسجد کی باہر کی زندگی میں بھی اسکے آگے سر جھکاتے رہو۔ گھر میں بھی اس کو آقا تسلیم کرلو۔ بازاروں میں بھی اسکی حاکمیت اوراپنی عبدیت کا اظہار کرو۔ انفرادی معاملات میں بھی اس کی اطاعت کرو اور اجتماعی معاملات، سیاست، معیشت اور معاشرت میں بھی اسکے احکامات پر عمل کرو۔ پورے معاشرے کو "عبادت رب" سے ہم آہنگ کرو۔ اسکے علاوہ حقوق العباد کی ادائگی اور نظام ربوبیت کا قیام بھی عبادت میں شامل ہے۔

فاسق لوگ کون ہیں؟

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرہ: ۲۷)

"(فاسق کون ہیں؟ فاسق وہ ہیں) جو احکام الٰہی کی اطاعت کا عہد کر کے پھر اسے توڑڈالتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کے کاٹنے میں بے باک ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کا بندے پر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ اس عہد کو پورا کرے جو اس نے اپنے خدا کے ساتھ "کامل عبدیت" کا عہد کیا ہوا ہے۔ بندے اور خدا کا یہ رشتہ کبھی بھی ٹوٹنا نہیں چاہیئے۔ بندہ ہمیشہ عجز و نیاز اور احتیاج کا مظاہرہ کرتا رہے۔ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کبر کا رویہ رکھنا، میثاق اور عہد کی خلاف ورزی ہے۔ اس کے بعد وہ انسانوں کے حقوق، جو اس پر عائد کیے ہوئے ہیں۔ ان کو پورا کرے۔ خاص طور پر رشتہ داروں کے حقوق، خون کی بنیاد پر صلہ رحمی، یہ سب لازمی امور ہیں۔ رشتہ داروں سے قطع تعلق بڑا گناہ ہے۔ قیامت کے روز "رحم" فریاد کرے گا کہ اے اللہ مجھے تونے پیدا کیا تھا مگر اس شخص نے اسکو کاٹ دیا تھا اسکے درمیان فیصلہ فرمادیجئے۔ اگر ہم نے انانیت اور ضد وحسد کی وجہ سے رحم کو کاٹ دیا تھا۔ تو ہمارے خلاف سخت فیصلہ بھی آسکتا ہے۔ حق کے مقابلہ میں شبہات پیدا کرنا۔ اہل حق کو ستانا، انکا مذاق اڑانا، زمین میں فساد اور بدامنی بھیلانا یہ سارے کام عہد کی خلاف ورزی میں آتے ہیں، ایسا شخص کھلا ہوا فاسق ہے۔ یہ شخص نہ دنیا میں مطمئن زندگی گذار سکتا ہے نہ ہی اس کو آخرت میں مسوئیت سے نجات حاصل ہو گی۔

علم کی فضیلت

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (البقرہ:۳۱)

"(پھر جب ایسا ہوا کہ مشیت الٰہی نے جو کچھ چاہا ظہور میں آگیا) اور آدم نے (یہاں تک معنوی ترکی کی کہ) تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کرلیے تو اللہ نے فرشتوں کے سامنے وہ تمام حقائق پیش کر دی اور فرمایا کہ اگر تم اپنے شبہ میں درستی
پر ہو تو بتاؤ ان حقائق کے نام کیا ہیں۔ فرشتوں نے عرض کیا خدایا ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لئے ہیں۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں جتنا تو نے ہم کو سکھلا دیا ہے۔ علم تیرا علم ہے اور حکمت تیری حکمت"

جب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدم ؑ کو پیدا فرمایا اور اس کو خلافت سے نوازا تو فرشتوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا اور ان کے سمجھ میں ہدایات نہیں آئی کہ انکی موجودگی میں کی دوسری مخلوق کے پیدا کرنے کا کیا جواز ہے؟ جبکہ وہ شب و روز تسبیح و تحدید میں مشغول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس شبہ کے ازالے کے لئے آدم اور فرشتوں کے درمیان ایک علمی مباحثہ کا انتظام فرمایا چونکہ آدم کو عقل و شعور کے ساتھ ارضی خلافت کے امور سرانجام دینے تھے اور ان کو ایک زبردست ابتلاء و آزمائش سے گذرنا تھا۔ ان کو زمینی حقائق اور زمینی اشیاء کو استعمال کرنا تھا اس لئے ان کی فطرت میں یہ سب کچھ ودیعت کر دیا گیا۔ حقائق الاشیاء کا علم انکو عطا کیا گیا۔ فرشتے چونکہ اس نوعیت کی مخلوق نہیں تھے۔ اس لئے ان کو دونوں اشیاء کا علم ان کی فطرت کی خلاف تھا بلکہ وہ اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے تھے اس لئے ان کو دنیوی اشیاء کا علم ان کی فطرت کے خلاف تھا، بلکہ وہ اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے تھے، اس لئے زمینی حقائق فرشتے نہیں بیان کرسکے اور آدم علیہ السلام نے ان حقائق کے متعلق سب کچھ بیان کر دیا۔ اس پر

فرشتوں کی حیرت ختم ہو گئی اور اعتراف کرنے لگے کہ آدمؑ علم کی برتری کی وجہ سے ہم پر فضیلت رکھتے ہیں۔
اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ صاحب علم ہونا فضیلت کی بنیاد ہے۔ آدمؑ علم کی وجہ سے نورانی مخلوق فرشتوں پر فوقیت حاصل کر گئے اور فرشتوں نے ان کو تعظیمی سجدہ تک کر لیا۔ حضور کریم ﷺ نے علم کو حاصل کرنے کی زبردست تلقین کی ہے۔ پہلی وحی "اقراء" پڑھ اللہ کے نام سے "اور "علم بالقلم" قلم کے ذریعہ علم کی اشاعت کی اور دعا کرتے رہے کہ "رب زدنی علما" یااللہ میرے علم میں اضافہ فرما" اور خدا نے فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا "آپ جو چیزیں نہیں جانتے تھے ان کا علم آپ کو عطا کیا گیا اور آپ پر خدا کا فضل و کرم بہت بڑا ہے۔"
اسلام کی تعلیم کی وجہ سے مسلمانوں نے ساری دنیا میں علم کو پھیلایا۔ یورپ اور مغربی دنیا تو اب تین چار صدیوں سے علم کی طرف متوجہ ہوئی ہے اس سے پہلے تاریخ میں مسلمانوں نے علم کے آفتاب روشن کیے۔ اندلس میں مسلمانوں کے دور حکومت میں جو سرکاری کتب خانہ موجود تھا اس کی صرف فہرست (کتابوں کے نام) چالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ آج یورپ میں جو کچھ موجود ہے اور ان کی ارتقاء میں مسلمانوں کے علم وفیض کا حصہ ہے۔ ہائے افسوس ہمارے علوم سے دوسرے لوگوں نے استفادہ کرکے ترقی کی راہوں کو عبور کر لیا۔ مگر ہم اپنے ہی سرمایہ حیات کو بھول کر، غلط پیدا کردہ لایعنی مسئلون میں الجھ گئے جن کی کوئی قدر قیمت نہی تھی۔ اب تک بھی فرقوں اور گروہوں کی عصبیتوں میں تقسیم ہو کر جہالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں۔
قرآن مجید م جیسی عظیم شاہراہ حیات کی طرف اب بھی ہماری توجہ نہیں ہے فیاحسرتا!

کمتر کے آگے جھک جانا

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ:۳۴)

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ وہ جھک گئے۔ مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی۔ اس نے نہ مانا اور گھمنڈ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ منکروں میں سے تھا۔"

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ایک نئی مخلوق جنم دی گئی۔ اس سے پہلے فرشتے اور جن آباد تھے۔ آدم کو پیدا کرکے جنوں اور فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ سب آدم کے سامنے جھک جائیں۔
فرشتوں نے حکم مانا مگر جنوں نے لیڈر ابلیس نے جھکنے سے انکار کیا۔ انکار اور استکبار کی وجہ سے ان کو ملعون اور مردود قرار دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو ایک ابتلاء وآمائش میں گرفتار کیا گیا اس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے مگر اس پر ان کو بیحد پچھتاوا ہوا۔ وہ خدا کے سامنے جھک گئے۔ اقرار جرم کر لیا۔ گڑگڑاتے ہوئے معافی مانگ لی۔ اللہ تعالیٰ نے عجز وانکسار اور خلوص کو دیکھتے ہوئے آدم کو معاف فرمادیا۔ اس کے بعد آدم اور ابلیس کو دنیا میں بھجیا گیا۔ یہاں وہ زندگی گذاریں گے مگر وہ اس میں دشمن ہو کر رہیں گے۔
دنیا میں آدمؑ کو زندگی گذارنے کے لئے دو نمونے دکھائے گئے، ایک فرشتوں کا دوسرا ابلیس کا۔ فرشتے خدا کی مرضی کو مقدم رکھ کر آدم کے سامنے جھک گئے اگرچہ وہ ان سے کمتر ہی کیوں نہ تھا اور ابلیس نے جھکنے

سے انکار کر دیا اگرچہ اللہ نے ان کو حکم بھی دیا۔ ابلیس اگرچہ ان کو کم ہی سمجھتا تھا مگر خدا کے حکم کو برتر سمجھتا اور اپنے بندہ ہونے کا اقرار کر لیتا اور کمتر کو بھی صرف خدا کی وجہ سے سجدہ ریز ہو جاتا تو بلند مرتبہ حاصل کر سکتا تھا۔ مگر استکبار، انانیت، خود پرستی اور جذبہ افضلیت نے اس کو ذلت اور ہلاکت سے ہمکنار کر دیا۔

حضرت آدم اور ان کی اولاد کے سامنے یہ دونوں رویے قیامت تک پس نظر ہوں گے اور رہنے چاہیں وہ فرشتوں کا رویہ اپنا کر بارگاہ ایزدی میں مقبول اور مقرب بھی ہو سکتے ہیں اور ابلیس کا رویہ اپنا کر راندہ درگاہ الٰہی بھی ہو سکتے ہیں۔

کفر کرنے میں پہل نہ کرو

وَلَا تَكُونُوٓا أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ (البقرہ:۴۱)

"اور ایسا نہ کرو کہ اس کے انکار میں (شقاوتً کا) پہلا غلام جو اٹھے وہ تمہارا ہو۔"

اسرائیل کی اولاد جو اپنے آپ کو یہودی کہلاتے تھے، ان کو کہا گیا ہے کہ آپ کے خاندان کو نبوت کی نعمت سے نوازا گیا۔ ہدایت الٰہی کے صحیفے اتارے گئے۔ تمہیں دین کی مکمل واقفیت تھی۔ اس کے باوجود قرآن مجید اور پیغمبر اسلام کے آنے کے بعد سب سے پہلے، سب لوگوں سے پہل کر کے کفر اور انکار کی طرف پہلا قدم تم نے اٹھایا۔ پہلے کافر تم بن گئے۔ رسول برحق کو سچا رسول جانتے ہوئے بھی اس کے متعلق تکذیب کا رویہ تم نے اختیار کیا۔ حق کے راستہ سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ پہلا کفر کرنا یا پہلے کافر بن جانا خدا کے غضب کو بھڑکانا ہے۔

دنیا میں جب اسلام رسم و رواج کا دین بن جائے۔ ایک امت کے بجائے گروہ بندیاں ہو جائیں۔ دولت دنیا اور متاع کی خاطر دین میں تاویلیں کی جانی لگیں۔ حق و باطل کو آپس میں ملا کر، ملاوٹی دین پیش کیا جائے۔ مذہبی پیشوا اپنے ذاتی اغراض و مقاصد، شہرت اور اقتدار دنیا کی خاطر عوام کو غلط راہ پر چلاتے رہیں اور کہتے پھریں کہ دین یہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ یہ آثار اور علامات ہیں کہ اب دنیا میں یہودیت اور عیسائیت کا معاشرہ وجود میں آچکا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے پیروکاروں کو حق کے راستہ سے ہٹانے اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے منحرف کرنے کے لئے اس طرح کفر کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے یہی افعال "اول کافر" بننے میں شامل تھے۔

کسی بھی مذہب کے زوال میں، غلط کردار ادا کرنے میں "علماء سوء" کا عمل بنیادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ آج بھی امت مسلمہ کے زوال میں حکمران طبقے کے بعد علماء سوء کا رویہ، یہودیوں اور عیسائیوں جیسا ہے۔ فرقے ٹولے گروہ اور جماعتیں بنا کر امت کو تقسیم کر دیا ہے۔ مرکزیت کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کو انتشار میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مذہب کو کھیل، مذاق کو عبادتیں قرار دیکر، اسلام کی حقیقی روح کو مسخ کر دیا ہے عقل و شعور کو ختم کر کے جہالت اور نادانی کی مذہب بنا کر اس کی تبلیغ کی جارہی ہے۔ ایسے بے جان اور بے روح مذہب کو آج کی مہذب اور عملی دنیا کیسے تسلیم کر سکتی ہے؟

صبر اور نماز

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ: ۴۵تا۴۶)

"اور تم صبر اور نماز کی قوتوں سے (اپنی اصلاح میں) مدد حاصل کرو۔ لیکن نماز ایک ایسا عمل ہے جو (انسان کی راحت طلب طبیعت پر) بہت ہی کٹھن گذرتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار سے ملنا ہے اور بالآخر اس کے حضور لوٹنا ہے ان پر یہ عمل بھاری نہیں ہوتا۔"

ایمان کی راہ پر چلنا بچوں کا کھیل نہیں ہے اس میں دوچار نہیں کئی سخت مراحل پیش آتے ہیں، مسلمان ہونے کا اعلان کرنا، کئی پابندیوں کے قبول کرنے اور کئی مشکلات کو دعوت دینے کے برابر ہے۔

چوں مے گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لاالہ را

قرآن مجید نے فرمایاہے کہ اس راہ میں قدم قدم پر تم مدد کی ضرورت پڑے گی اس لئے ان حالات میں صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد حاصل کرو۔ یہ وہ ڈھال ہے جو ہر وقت ہر مصیبت سے محفوظ رکھے گی اور ہر آزمائش میں حفاظت کرے گی۔ رہی یہ بات کہ نماز اور صبر کے اوصاف کس طرح پیدا کیے جائیں۔ اس میں ایک بات یہ ہے کہ اپ کا ہر عمل آپ کو کامیابی کی طرف لے جائیگا اور اس پر اپ کو بے حساب اجر ملے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا نہیں کیا تو ایک دن خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ وہاں آپکا احسان ہوگا کہ ان اوصاف کو کیوں نہیں اپنایا۔

جدید نفسیات کا کہنا ہے کہ کسی عمل کے لئے دو ہی محرک ہوتے ہیں ایک رغبت دوسرا خوف۔ قرآن مجید نے ان اعمال کے لئے بہت بڑے اجر کی رغبت بھی دلائی ہے اور نہ کرنے پر انذار بھی کیا ہے اس نفسیات کے مطابق یہ ارشادات صرف انسان کے مفاد میں فرمائے گئے ہیں۔ اس میں خدا اور رسول ﷺ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کس قدر انسانوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا رویہ رکھتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تمام انسان ہلاکت ابدی سے بچ جائیں۔

نجات کی بنیاد

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا (البقرہ: ۶۲)

"جو لوگ پیغمبر اسلام پر ایمان لاچکے ہیں، وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں، یا نصاریٰ اور صابی ہوں (کوئی بھی ہو اور کسی بھی گروہ بندی میں شامل ہو یا کہلا واتا ہو) لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان اور عمل کا اجر اپنے

پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہو گا نہ کسی طرح کی غمگینی"

اس آیت کریمہ میں ایک بنیادی اصول کا اعلان کیا گیا ہے کہ آخرت میں نجات اور ہلاکت کا فیصلہ فقط ایمان اور عمل کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ نسل، خاندان، قوم اور گروہ بندی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہو گا۔

اس آیت میں چند گروہوں کے نام لے کر بات کہی گئی ہے اس میں اور بھی ایسے گروہ، پارٹیاں اور جماعتیں شامل ہیں اور ہو سکتی ہیں جو مختلف ناموں، گروہوں اور نسل و قوم کی بنیاد پر الگ شفافت سے وجود میں آتی رہیں گی۔ ان سب کے لئے یہی حکم ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان اور مومن بھی فقط گروہ بندی کی بنیاد پر نجات کے حقدار نہیں ہو سکتے یا صرف ایمان کے دعولے کے طور پر اجر کے مستحق نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ ان میں یا کسی بھی انسانی گروہ میں تین اوصاف نہ پائے جائیں (۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالآخرت (۳) عمل صالح۔

یہود و نصاریٰ نسل پرستی، گروہ بندی اور انسان پرستی کی راہوں پر چل پڑے۔ ایمان و عمل صالح کی شاہراہ کو ترک کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا ہی میں ذلت اور غلامی کے عذاب میں دھکیل دیا یہ نہ دیکھا یہ لوگ صاحب کتاب ہیں اور انبیاء کے وارث ہیں اور ان کے نام ہوا ہیں۔ اس طرح مسلمان اور مومن بھی اگر دعوے کرتے رہیں گے۔ کتاب اور نبی کا نام لیتے رہیں گے۔ اور ایک گروہ بندی کے زعم میں مبتلا رہے مگر ایمان حقیقی اور عمل صالح سے محروم رہ گئے اور ان اوصاف عالیہ پر کاربند نہ رہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں وہ مغلوب کر دئے جائیں، غلامی کی ذلت سے دوچار ہوں، اقوام غیر ان پر تسلط حاصل کرلیں اور یہ ان کے کاسہ لیس بن کے رہیں۔ اور آخرت میں بھی ان غلط رویوں کی وجہ سے عذاب کے مستحق قرار دے جائیں۔ اس لئے نسل انسانی کا ہر گروہ اس حقیقت پر یقین کرلے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا اور آخرت میں صرف ایمان حقیقی اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر فیصلے کیے جائیں گے۔

ہر گروہ میں ان پڑھ لوگوں کا کردار

وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ (البقرہ:۷۸)

"اور ان میں سے وہ لوگ جو ان پڑھ ہیں اور کتاب الٰہی سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ دین کے متعلق صرف خوش اعتقادی کی بنا پر آرزوؤں اور ذاتی خواہشوں کے سوا کچھ نہیں جانتے اور یہ لوگ صرف وہموں اور گمانوں میں مگن رہتے ہیں۔"

ہر مذہب میں دو گروہ پائے جاتے ہیں ایک جاننے والا گروہ دوسرا جاہل اور ان پڑھ گروہ۔ پڑھا لکھا گروہ جب نفسانی اغراض میں مبتلا ہو کر "دین فروشی" کا کاروبار کرنا شروع کر دے، کتاب ہدایت میں تاویلیں کرنے کا شغل اختیار کرنے۔ عوام کو درست راستہ اور عمل صالح کی دعوت دینا چھوڑ دے، عوام کے مال، متاع پر ان کی نظر ہو تو پھر ان کا کردار یہ ہوتا ہے کہ خود تو گمراہ ہوتے دوسروں کو بھی گمراہ کرنا شروع کرتے ہیں۔ ان کو عمل سے فارغ کر کے آخرت کی مخالفت کے لئے وہموں، گمانون اور خوش اعتقادیوں میں پھنسا دیتے ہیں۔ بزرگوں کی شفاعت، اماموں کی طرف سے نجات کے سرٹیفکیٹ اور شخصیتوں کی محبت اور عقیدت کا وجہ سے دخول جنت کی یقین دہانیا وغیرہ ہی ان کا دین و مذہب ہو جاتا ہے۔ اس کی تبلیغ کر کے جاہلوں کا ایک بڑا

گروہ تیار کر لیتے ہیں۔ یہی کام یہود و نصاریٰ نے کیا۔ اور اب یہی شغل اس آخری امت کے اکثر علماء اور رہبان، مشائخ و گدی نشین حضرات کر رہے ہیں۔ اس امت میں بھی ان پڑھ لوگوں کی کثرت اس طرح ہو گئی ہے، جو اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں۔ یہ لوگ عرسوں میں، میلوں ٹھیلوں میں، مشائخ کی برسیوں میں ایسی خرافات اور روایات جعلی سناتے ہیں کہ اب ان پڑھ لوگ کا یہی مذہب رہ گیا ہے کہ فلاں بزرگ، فلاں شیخ، فلاں امام، فلاں شخصیت قیامت کے روز عذاب الٰہی سے نجات دلائیگی۔ ہمیں کسی عمل صالح کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے ان کی شفاعت بھی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "یوم الدین" کو عدل وانصاف کا دن قرار دیا ہے وہاں کسی کو وہم و گمان اور کوئی ڈھکوسلہ نہیں بچا سکتا۔ صرف ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر ہر شخص نجات حاصل کر سکے گا۔

آسان نجات کے نسخے

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ (البقرۃ: ۸۰)

"اور یہودی کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ ہمیں کبھی چھونے والی نہیں (کیونکہ ہماری امت خدا کے ہاں نجات یافتہ ہے) اگر ہم آگ میں ڈالے بھی جائیں گے (تو اس لئے نہیں کہ ہم ہمیشہ آگ میں رہیں گے بلکہ) صرف چند گنے چنے دونو کے لئے۔"

بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور محبوب سمجھتے تھے "ہم خدا کے محبوب اور ان کے بیٹے ہیں" اس لئے جہنم ہمارے لئے بنی ہی نہیں اس میں تو دوسری اقوام کو ڈالا جائیگا، ہاں وہ چند روز جو گائے پرستی میں گذرے تھے شاید وہ چار دن ہی آگ میں ڈالے جائیں تو خیر کی بات ہے باقی ہمیشہ کے لئے ہم تھوڑی جہنم میں جائیں گے۔

جو قوم خام خیالی میں مبتلا ہو جاتی ہے، اپنے آپ کو بزرگوں اور انبیاء سے مربوط کر لیتی ہے اور فیصلوں کے انبار جمع کر کے ان پر ہی فخر و مباہات کرنا شروع کرتی ہے۔ تو وہ کہنا شروع کر دیتی ہے کہ ہمارا معاملہ اور قوموں سے الگ ہے۔ ہمارا جہنم کی آگ سے کیا واسطہ؟ ہمارے لئے تو نجات مقدر ہے۔ جہنم میں تو دوسری اقوام جائیں گی، ہمارے بزرگ اور مشائخ ہماری شفاعت کے لئے آگے آئیں گے۔ ہم ان بزرگوں اور اماموں کے لئے نذر و نیاز دیتے ہیں۔ ہم ان کی عقدیت و محبت میں ہر وقت سرگرداں رہتے ہیں تو ایسی حالت مین یہ ہمارے اولیاء عظام ہم کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں گے۔ اور یہ عظیم شخصیات خدا کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہستیاں ہیں کہ خدا ان کی سفارش کو ٹال نہیں سکتا۔ بلکہ جنت اور دوزخ تو ان کے اختیار میں ہی دے دی گئی ہے۔ ایسی جاہلانہ باتیں اور بے سروپا خیالات یہود و نصاریٰ میں بھی پائے جاتے تھے خاص طور پر ان کے ان پڑھ لوگ تو ایسی باتوں میں مدہوش اور بدمست ہو کر گذارتے تھے۔ یہی صورتحال اب اس امت مسلمہ کی بڑی آبادی میں سرایت کر گئی ہے امت کے علماءِ سوء نے دین فروشی کا کاروبار شروع کر رکھا ہے ار جاہلوں کو دین کے نام پر خوش گپیوں میں پھنسا کر ان کو راہ حق سے ہٹا دیا ہے اور عام طور پر جاہل اور ان پڑھ لوگ نذر و نیاز، عرسوں اور برسیوں میں اپنا مال و متاع ضائع کر دیتے ہیں اور مذہبی پیشواؤں کی جیبیں بھرتے

ہیں۔ اور آخرت میں ان ہی سے نجات کی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

مستکبرین اور مستضعفین

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ (البقرہ:۸۷)
فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَجَزِعْنَاۤ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ (ابراہیم:۲۱)

"پھر کیا تمہارا شیوہ ہی یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کا کوئی رسول ایسی دعوت لے کر آئے جو تمہاری نفسانی خواہشوں کے خلاف ہو تو تم اس کے مقابلہ میں کبر اور سرکشی میں مبتلا ہو جاؤ۔"

"جب قیامت کے دن سب لوگ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو اس وقت کمزور اور ناتواں لوگ (جو بنائے گئے تھے) سرکشوں اور مستکبریں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیچھے چلنے والے تھے۔ پھر کیا آج تم ایسا کر سکتے ہو کہ اللہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ کر دو؟ وہ جواب میں کہیں گے اگر اللہ ہم پر کوئی بچاؤ کا راستہ کھولتے تو ہم بھی تمہیں کوئی راستہ دکھاتے (ہم تو خود ہی عذاب میں پڑے ہوئے ہیں) اب عذاب جھیلیں یا روئیں پیٹیں دونوں حالتیں برابر ہو گئیں ہیں، ہمارے لئے اب آج کے دن کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔"

اقتدار، دولت، اختیار اور سیاسی غلبہ کی بنیاد پر معاشرہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک مستکبرین اور دوسرے مستضعفین میں، ایک ظالم دوسرے مظلوم، ایک عیش پرست، مسرفین اور دوسرے محروم افلاس زدہ۔ ایسا معاشرہ طبقاتی اور مشرکانہ معاشرہ کہلاتا ہے۔ یہ معاشرہ انسانوں کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر کے منتشر کر تا ہے۔ منتشر معاشرہ جلد یا بدیر غلام بن جاتا ہے اور اشرافیہ طبقہ اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور ان کے وسائل رزق قبضہ کر لیتا ہے۔ جب کہ اسلام عدل واحسان اور توحید پر مبنی معاشرہ قائم کرتا ہے اور معیشت میں خود کفالت کر نظریہ دیتا ہے۔

اسلام اور قرآن مجید کی تعلیم طبقاتی معاشرہ کو نیست و نابود کرنے کی ہے۔ اس کی نظر میں تمام انسان حقوق اور وسائل میں ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ غربت اور افلاس، ظالم سماج کی پیداوار اور ایک لعنت ہے، جس سے شرف انسانی مٹ جاتا ہے۔ افلاس انسان کو سعات سے گر کر ذلت اور بدبختی کے کڑھوں میں گرادیتا ہے انبیاء علیہم السلام کے بنیادی پیغام میں محروم اور مستضعف انسانوں کو اوپر لے آنا اور غلاموں کو طوق غلامی سے رہائی دینا اولین ترجیح ہے۔ اس طرح ان کے مقابلہ میں مستکبرین، مسرفین، مترفین اور دولت اور اقتدار کی بنیاد پر استحصالی طبقے کو شکست دینا اور انکو پائمال کرنا، اور انکی قوت کو جہاد کے ذریعہ توڑ دینا، ان کے منصبی فریضہ میں شامل تھا۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (الاعراف:۱۵۷)

"پیغمبر علیہ السلام انسانوں کو اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے، ان

پھندوں سے نکالے گا جن میں وہ گرفتار ہوں گے۔"

قرآن مجید واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ (القصص:۵)

"اس کے باوجود ہمارا فیصلہ کہ جو قوم ملک میں سب سے زیادہ کمزور سمجھی گئی تھی (یعنی مستضعفین لوگ) ان پر ہم احسان کریں، اسی قوم کے ان لوگوں کو سرداری اور ریاست کے اختیارات بخشیں۔ اور سلطنت کا وارث بنائیں۔"

قرآن مجید آگاہ کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر دور میں کمزور اور ناتواں لوگوں میں آزادی کا جذبہ بیدار کیا ہے۔ ان کو بیدار کرکے، ان کو متحد اور منظم کیا ہے، تاکہ ظالموں کی قوت کو پائمال کیا جاسکے، خدا کے پیغمبر انقلاب کے حقیقی داعی اور انسانیت کے مخلص خیر خواہ اور ہمدرد ہوتے ہیں۔ وہ عدل وانصاف کے اعلیٰ معیار پر قائم ہوتے ہیں وہ کمزور اور ستائے ہوئے لوگوں کی مظلومیت کو ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کرتے اس لئے وہ ظالموں اور جابروں سے مزاحمتی عمل اختیار کرکے جہاد فی سبیل اللہ کی راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوکر سامنے آتا ہے کہ ظالموں کی ہلاکت اور کمزوروں کی ولایت اور امامت۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالیہ ہے:

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۳۶ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۳۶تا۱۳۷)

"بالآخر ہم نے ان کے ظالمانہ رویوں کی پاداش میں نہیں سزا دی، چونکہ وہ ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے وہ اس سے غافل رہے تو ہم نے ان کو سمندر میں غرق کردیا: یہ مستکبرین لوگ، جس قوم کو کمزور وحقیر خیال کرتے تھے۔ ان کو ہم نے دنیا کے مشرق ومغرب کے حصول کا وارث بنادیا، اس طرح خدا کا فیصلہ۔ انصاف وعدل کے حسن سے بھرپور فیصلہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا۔ اس لئے کہ انہوں نے ظالموں کے ظلم وجبر کو برداشت کیا تھا۔ ظالم فرعون اور اس کی قوم جو کچھ ساز شین کرتے رہے اور بلند وبالا عمارتیں کھڑی کرتے رہے وہ سب کچھ ہم نے درہم برہم کردیا یعنی ان کا نام ونشان نہ رہا۔"

انبیاء علیہم السلام کے وارثین خاص طور پر خاتم الانبیاء ﷺ کی امت اگر آج بھی ظلم وجبر کو مٹانے، غیر اللہ کی حاکمیت کو ختم کرنے اور معاشرہ کو عبادت رب کی بنیاد پر قائم کرنے کے لئے انقلابی اور فلاحی پیغام کو لے کر اٹھیں۔ ان کا نصب العین مستکبرین کو مٹانا اور مظلوموں کی حمایت کرنا ہو تو یقیناً خدا کی نصرت ان کے ساتھ ہوگی، خدا کا فیصلہ ضرور پورا ہوگا۔

ہر رخ اور مقام پر اللہ موجود ہے

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ
(البقرہ:۱۱۵)

"اور پورب ہر یا پچھم ساری دنیا اللہ لے لئے ہے۔ (اس کی عبادت کسی ایک رخ اور تمام مقام محتاج نہیں اور نہ اس پر موقوف) جہاں کہیں بھی تم اللہ کی طرف رخ کر لو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ہے۔ بلاشبہ اس کی قدرت پھیلی ہوئی اور اس کا علم ہر شئے پر محیط ہے۔"

حضرت رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد مسلمان کچھ وقت تک اپنے پہلے قبلہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ مگر وہ وقت آ گیا کہ امت کی مرکزیت اور یکجہتی کے لئے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا اور فرمایا کہ اب اس کی طرف رخ کر کے عبادت کرو۔ اس پر اہل کتاب نے اعتراضات اور شبہات اٹھائے کہ خانہ کعبہ کس طرح قبلہ بن سکتا ہے جب کہ وہ مشرق و مغرب کسی رخ میں نہیں ہے۔ اسلام کے ظہور سے پہلے انسانیت کئی توہمات میں گرفتار تھی ان میں یہ بھی تھا کہ مشرق اور مغرب ہی مقدس رخ ہیں اس لئے کہ سورج کا طلوع ہونا اور غروب ہونا ان رخوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے اس عقیدے کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ: **وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ** "شرق اور غرب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔" اس طرح جنوب و شمال بھی اس کے مقرر کیے ہوئے ہیں یعنی اسکی ملکیت میں ہیں اور مخلوق ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ہی کسی رخ کی طرف حکم فرمادے تو اعتراض کی کیا بات ہے **فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ** "تم جس رخ کی طرف بھی منہ کر کے عبادت کرو گے تو وہاں اللہ کو ہی پاؤ گے۔"

اس سے یہ بات سامنے آئی کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر شبہات کھڑے کرنا اور بنیادی بات یعنی "عبادت رب العٰلمین" کو نصب العین نہ بنانا یہودیوں کی عادت اور انکی کم ظرفی تھی۔ اب ہمارے مسلمانوں میں بھی یہی باتیں آتی جا رہی ہیں کہ عبادت میں خشوع و خضوع، اس کی باقاعدہ ادائیگی، دین کے مہمات الامور کی طرف توجہ نہ دینا بلکہ ان کو فراموش کر دینا تو ہمارا وطیرہ ہو گیا ہے، مگر عبادت کی ادائیگی میں فروعی مسائل پر جھگڑے کرنا، ان پر دوسروں کو جبر کرنا اور ان کے متلق کتابوں کا انبار تصنیف کرنا پھر اس سے آگے شخصیات پر، ان کی فضیلتوں پر لڑنا اور مباحثے و مناظرے کرنا ہمارے دین کا بنیادی تقاضا بن گیا ہے۔

قرآن مجید کے پڑھنے کا حق

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ (البقرہ: ۱۲۱)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب الٰہی کا وارث بنایا وہ لوگ کتاب کو ایسا پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے وہ لوگ اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کی ایک وصف بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے وہ لوگ جو کتاب پر ایمان رکھتے ہیں وہ تلاوت کتاب کا بھی حق ادا کرتے ہیں۔

کتاب الٰہی کی تلاوت ایک مقدس عبادت ہے۔ درحقیقت خدا کی نازل کردہ کتاب جو کہ انسانوں

کے لئے تلاوت ایک مقدس عبادت ہے۔ در حقیقت خدا کی نازل کردہ کتاب جو کہ انسانوں کے لئے ایک ہدایت اور صراط مستقیم کی نشاندھی کرتی ہے۔ اس کے ہم پر حقوق ہیں۔ پہلا حق تو یہ ہے کہ ہم اس کی مسلسل تلاوت کرتے رہیں دوسرا حق یہ ہے کہ اس کتاب میں بھرپور تفکر و تدبر کریں اور سمجھ کر اس کو پڑھیں۔ ترجمہ کے بعد اس کے معانی اور مطالب، اس کے احکامات وواقعات پر اس پہلو سے غور کریں کہ یہ سب کچھ ہمارے لئے زندگی گذارنے کے احکامات ہیں۔ ان پر عمل کرنا ہے۔ اپنی زندگی میں ان کو اپنانا ہے۔ زندگی کے شب وروز اگر قرآن مجید کے خلافت گذار رہے ہیں تو اپنے اعمال میں ان کے احکامات کے مطابق تبدیلی لائیں۔ اپنی زندگی مکمل طور پر قرآنی زندگی بنائیں۔

وہ سارے فرائض، وہ سب حقوق جو خدا تعالیٰ اور انسانوں کے انسانیت کے لحاظ سے ہم پر عائد کیے گئے ہیں ان کو ہم پورا کرنے کی وسعت کے مطابق تگ ودو کریں۔ اس کے بعد قرآن مجید، ہم میں خدا کو اپنی زندگی سپرد کرنے کا جو داعیہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے مطابق اس کے مطابق، عبادت، معرفت اور محبت کے مدارج میں ترقی کرتے ہوئے ہم صرف خدا کے بندے ہی بن جائیں۔ غیر اللہ کی بندگی یا ان کو خوش کرنے کی کمزوریاں ہم سے بالکل نکل جائیں اور آخری قرآن مجید کا حق یہ بھی ہے کہ اس کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانے کی تحریک میں عملی کردار ادا کریں۔ دنیا بھر سے ظلم عدوان کو مٹانے کے لئے انقلابی عمل کا حصہ بنیں۔ جہاد اور انفاق ہماری شناخت بن جائے۔ ہم "حزب اللہ اور انصار اللہ" بن کر بارگاہ ایزدی میں مقرب اور محبوب بندے بن جائیں یہی مومن کی آخری منزل مقصود ہے اور یہی بات قرآن مجید سے وابستگی کی اہم علامت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی وصیت

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ط يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ:۱۳۲)

"پھر اسی راستہ پر چلنے کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی۔ اور یعقوب نے بھی اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ اپنوں نے وصیت میں کہا تھا اے میرے بیٹو! خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے زندگی گذارنے کا طریقہ " دین اسلام" جو پسند فرمایا ہے تو اس پر کاربند رہنا، تم دنیا سے اس حالت میں جانا کہ تم مسلم یعنی فرماں بردار بندے ہو۔"

تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک تھی کیونکہ ان سب کو ایک خدا نے اپنا نمائندہ بنا کر انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ ان کا دین بھی ایک ہی تھا یعنی اسلام۔ اس لئے ان سب پر ایمان لانا اور ان کی نبوت کی تصدیق کرنا، گویا اسلام کی تصدیق کرنا ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم خاتم الرسل ﷺ پر جس طرح ایمان لاتے ہیں اسی طرح حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت مسیحؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق اور احترام کریں۔ کسی ایک نبی کا انکار بھی ایسا ہے جیسے ہم اپنے نبی کا ہی انکار کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اولاد اور پیروکاروں کو یہی وصیت کرتے رہے ہیں کہ تم خدا کی فرمانبرداری والے

راستہ پر قائم رہنا اور تم پر اس حالت میں موت آئے جب کہ تم مسلم ہو۔ شماریات کے جاننے والے کہتے ہیں کہ دنیا میں ایک منٹ میں ایک سو انسان مر جاتے ہیں یعنی دن رات میں کم از کم ڈیڑھ لاکھ انسان اس دنیا کو چھوڑ جاتے ہیں۔ اب تو شاید یہ عدد بڑھ چکا ہو گا۔ کس کو کیا معلوم ہے کہ ان ڈیڑھ دو لاکھ کی فہرست میں کس کا نام آتا ہے۔ کسی کو بھی کسی وقت بلاوا آجائے۔ اس لئے دانائی اور حکمت کی بات یہ ہو گی کہ ہر انسان اپنے آپ کو جانے والوں کی فہرست میں پہلا نمبر شمار کرے اور پھر اس پر لازم ہے کہ "مسلم" یعنی فرمانبردار بندے کے حیثیت سے زندگی گذارے تا کہ جب بھی اس دنیا سے رخصت کا وقت آئے تو وہ مسلم انسان کی حثیت میں خدا کے حضور میں پہنچ جائے۔ "الھم اجعلنا من المسلمین"

ہر ایک کو اپنے اعمال کام آئیں گے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (البقرہ:۱۳۴)

"اس سے پہلے کئی امتیں تھیں جو گذر چکیں، ان کے لئے وہ تھا جو انہوں اپنے عمل سے کمایا۔ تمہارے لئے وہ ہو گا جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے۔ تم سے کچھ بھی پوچھ نہیں ہو گی ان اعمال کے متعلق جو وہ لوگ کرتے رہے۔"

اہل کتاب اس زعم میں مبتلا تھے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں۔ ان آباؤ اجداد کی نیکیاں ہمارے لئے نجات کا باعث بنیں گی۔ یہی باطل خیال ہمارے امت مسلمہ میں بھی داخل ہو چکا ہے کہ بڑے لوگوں کے ساتھ نسبت اور ان کے ساتھ عقیدت و محبت ہمارے لئے نجات کا ذریعہ بنے گی اللہ تعالیٰ نے اس غلط خیال اور نسبت کی جڑ کاٹ دی کہ کسی شخص، جماعت اور گروہ کو کسی دوسری نیک شخصیت کے اعمال کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اس کے اعمال صالحہ اس کے لئے ہیں تمہارے اعمال تمہارے لئے ہوں گے۔ تمہارا صرف تمہارے اعمال کی وجہ سے احتساب ہو گا۔

انسان قدامت پرستی کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ اس سے وہ اپنی جان نہیں چھڑا سکا ہے۔ یہ ہمیشہ ماضی کے افسانوں کے چکر میں گم رہتا ہے ان کے لئے پرانے طریقے مقدس بن جاتے ہیں بت پرست قومیں ہزاروں سالوں سے اپنی بنائی ہوئی مورتیوں اور مجسموں سے نہ نکل سکی ہیں۔ ان کے پاؤں ان زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے دو فرقے اس بات کا اب تک فیصلہ نہیں کر سکے یا اس سے اپنی جان نہیں چھڑا سکے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں درست فیصلہ کیا تھا؟ ترقی کے مدارج طے کرنے والی قومیں اس طرح کی باتوں میں جکڑی ہوئی نہیں ہوتیں۔ یہ امت خرافات میں کھو گئی؟ اب حیرت ہوتی ہے کہ اس امت کو سوائے چند تاریخ واقعات چند تاریخی جھگڑے اور چند فروعی، عبادت کرنے کے طریقوں پر جو اختلاف ہیں انکو اپنی اپنی کتابوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں انکو وہ جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ اس سے آگے سوچنا اور اپنی تقدیر کو بدل کر کھوئی ہوئی قیادت وسیادت کو حاصل کرنا ان کے ایجنڈا میں بھی نہیں رہا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

لوگو! قرآن کی بات سنو! اگلی امتوں اوراگلے لوگ گذر گئے۔ان کے اعمال ان کے ساتھ ہونگے تمہارے اعمال میں اگر کوئی وزن ہو گا تواس پر تمہارے لئے فیصلہ کیاجائے گا۔

صبر وشکر اور ذکر

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝۱۵۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ: ۱۵۲تا۱۵۳)

"پس تم میری یاد میں رہو تومیں لگے بھی تمہیں یاد رکھو گا۔ اور میری نعمتوں کی قدر کرو۔ کفران نعمت میں مبتلانہ ہوجاؤ۔ صبر اور نماز سے سہارا پکڑو۔ یقین کرو۔ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دنیا بھر کے انسانوں کی تعلیم اوررہنمائی کے لئے مقرر فرمایاہے۔ اس فرض کو نبھانے کے لئے ضروری تھا کہ "سفیران اسلام" میں اعلیٰ درجہ کی خوبیاں اور بلند ترین اوصاف پیدا کیے جائیں۔ تاکہ وہ ان منصب پر فائز رہ سکیں اورذمہ داری کو پورا کرسکیں ان اوصاف عالیہ میں اللہ کی مکمل عبادت اوراحکامات کی مکمل اطاعت پر کاربند ہونا۔ نعمتوں کی شکر گذاری یعنی اللہ کے دیے ہوئے وسائل اورانعامات کو اطاع الٰہی میں صرف کرنا خدا کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنا اور مخالفین کے مظالم اورستانے پر بھی اپنے مشن پر ڈٹے رہنا اوراس راہ حق سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹنا۔ عبادت رب کی ذریعہ سے حوصلہ اور جذبہ حاصل کرنا۔ یہ وہ اوصاف ہیں جن پر قائم رہتے ہوئے اس ذمہ داری کا حق ادا کرسکتے ہو جو تم پر عائد کی گئی ہے۔

ذکر سے عام طور پر کچھ مقرر شدد دعائیں اور صبح وشام ان کاورد کرنا مراد لیاجاتاہے۔ مگر یہ ذکر کا محدود تصور ہے۔ اصل میں ذکر الٰہی سے مراد ہے کہ اللہ کی یاد ہر وقت آپ کے قلب میں رہنی چاہیئے۔ کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوناچاہیئے۔ پھر صبح وشام ،رات دن جس بھی کام میں مشغول ہوں، باتوں میں، کاروبار میں، معاملات میں، گھر کی چودیوری میں، عدالت کے ایوانوں میں، سیاست کے عہدوں اوراختیارات ہیں۔ پڑوس میں، فیصلہ کرتے ہوئے، کسی سے قرض لیتے ہوئے یاد یتے ہوئے، خطاب کرتے ہوئے، کسی سے انفرادی گفتگو کرتے ہوئے۔ غصہ کے وقت، خوش کے لمحات ہیں، انتقامی جذبات پیدا ہونے کے اوقات میں، کسی کے ناروااور غلط رویوں کے سامنے آنے کے وقت میں، مطلب یہ کہ آپ کی زندگی میں کوئی لمحہ ، کوئی مرحلہ اور کوئی تصور وخیال بھی آجائے تو آپ ان تمام تر حالات میں خداوند قدوس کی ذات اقدس کو ہی یاد رکھیں اوران تمام امور میں اس کے دیے ہوئے احکامات کی اطاعت کریں، اس کی رضا کو پیش نظر رکھیں، اس کی معصیت سے خوفزدہ ہوجائیں تو یہ ہے اصل ذکر الٰہی کا اعلیٰ ترین تصور۔ پھر آپ کی زندگی کا ہر لمحہ عبادت الٰہی میں شمار کیا جائیگا۔ جولوگ اس طرح خدا کو یاد رکھتے ہیں ایسے لوگوں کو خدا بھی اس طرح یاد کرتا ہے۔ یہ

انبیاء، اولیاء، اصفیاء اور تو مقربین بار گاہ ایزدی کا ذکر الٰہی ہے۔
خدا اپنے بندوں سے یہی تصور عبادت چاہتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ایسے مقربین کی نیند بھی ذکر الٰہی ہے، ان کا کاروبار بھی ذکر الٰہی ہے، دینی امور کی جدوجہد بھی ذکر الٰہی ہے۔ سفر کرنا، بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ذکر الٰہی ہے۔ جو کام بھی رضا الٰہی کے خاطر کیا جائے اور جس جدوجہد میں کلمۃ اللہ کی بلندی اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی مقصود ہو وہ جدوجہد سب کی سب ذکر الٰہی میں شامل ہو جاتی ہے۔
صبر سے بھی یہ غلط مفہوم لیا جاتا ہے کہ کسی آزمائش اور مصیبت کے وقت یا دشمنی کے ستانے پر انسان خاموش ہو جائے کسی کو کسی شخص نے حق بات کہنے پر ظلم و ستم کیا تو مظلوم شخص کو عام طور کہا جاتا ہے کہ صبر کریں، اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ آئندہ ایسی بات نہ دھرائی جائے۔ یہ صبر کا قطعی مفہوم نہیں ہے۔ عربی زبان میں صبر کے معنی ثابت قدم رہنا اور اپنے مشن کے لئے آگے بڑھنا، اور دل کو اپنے قابو میں رکھنا اور خود دل کے قبضے میں نہ جانا مراد ہے۔ صبر کی معنی استقامت ہے۔ یعنی اس مشن کے سلسلہ میں اگر مصائب کے پہاڑ بھی اتر پڑیں تو بھی آپ اس امتحان میں ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں۔ صبر کے اس مفہوم کو "اصحاب رسول ﷺ" نے سمجھا تھا اور اس کی روح تک پہنچ گئے تھے تب ہی انہوں نے مشرکین کے مقابلہ میں ہجرتیں کیں۔ مصائب جھیلے، گھر بار، رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیا، مسلسل جنگوں اور لڑائیوں میں پوری زندگیاں جھونک دیں۔ اسی کا ثمر ہے کہ ان کی موجودگی میں حکمۃ اللہ بلند ہو گیا۔ حاکمیت الٰہی قائم ہوگئی اور باطل سرنگوں ہو گیا۔ شکر سے مراد بھی نعمتوں کی عملی قدردانی ہے یعنی ان نعمتوں کو جو صحت، خوشحالی، فراغت اور دیگر صلاحیتوں کے ذریعہ آپ کو عطا کی گئی ہیں ان کو خدا کی راہ میں، اس کے کلمہ کو بلند کرنے کی خاطر اور دیگر کمزور بندگانِ خدا کی کفالت کے لئے استعمال کریں یہی شکر گذاری ہے۔ چونکہ شکر کے مقابلے میں کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس کے شکر کا مفہوم واضح ہو گیا کہ شکر ایمان کے تقاضون کو پورا کرنے کا نام ہے۔ اسی طرح نماز بھی ایک بہت بڑا سہارا ہے۔ مومن رب کریم سے قلبی رابطہ کر کے اس کی نفرت اور مدد کا مستحق بن جاتا ہے۔ ان اوصاف عالیہ کو اگر امت مسلمہ مجموعی طور پر اپنائے اور ان اوصاف سے متصف ہو جائے تو یہ امت پوری دنیا میں قیادت وسیادت کی مستحق ہو سکتی ہے جیسا کہ "اصحاب رسول ﷺ" کو اللہ تعالیٰ نے یہ استحقاق عطا فرمایا تھا۔

شہداء زندہ ہیں

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ
(البقرہ: ۱۵۴)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں تو ان کے لئے یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں، نہیں وہ تو زندہ ہیں، لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔"

جہاد اسلام کی عظیم ترین عبادت ہے اس کے ویسے تو کئی اقسام ہیں۔ قلم سے جہاد، ظالم کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا، انفاق کے ذریعہ جہاد، مجاہدوں کے لئے سہولتیں فراہم کرنا اور اپنا وقت جہادی کاموں میں صرف

کرنا وغیرہ مگر سب سے بہترین جہاد، جس کو قرآن مجید "جہاد فی سبیل اللہ" قرار دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کلمہ حق کو غالب کرنے کے لئے اعداء سلام سے جنگ کرے اور دنیا اور دنیا سے ظلم وستم اور انسانوں کی غلامی ختم کرنے کے لئے مستکبرین سے لڑائی کرے۔ پھر لڑتے لڑتے اپنی جان اللہ کے حضور میں پیش کردے۔ یہ مقام بلند ہے مگر بندہ مومن کا اپنا سرمایہ حیات پیش کرنے کے بعد یہی احساس ہوتا ہے کہ:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

قوموں کی زندگی اور انسانیت کا شاندار مستقبل شہیدوں کے خون سے وابستہ ہے۔ جس طرح کھیتی کے لئے پانی اور سورج کی گرمی لازمی ہے۔ ایسے ہی آزادی کا حصول اور اس کو برقرار رکھنے کے لئے بے شمار گردنوں کا کٹنا، مجاہدوں کا خون اور ہر انسان کی جہاد کی آرزو ضروری امور ہیں۔ قوموں کی خوشحالی، آزادی اور غیرت فقط مجاہدوں کے خون کی رہین منت ہے۔ جو قوم جہاد سے پہلو تہی کرتی ہے۔ تن آسان ہو کر عیاشیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اس سے غلامی کا مرحلہ بہت دور نہیں رہتا۔ مسلمانوں نے ساری عبادتیں کسی نہ کسی حد تک قائم رکھیں مگر جہاد کو بالکل ترک کر دیا تو وہ مغلوب ہونے سے بچ نہیں سکے۔

آتجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر سناں اول، طاؤس ورباب، آخر

مجاہدین قوم کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ آزادی کے ہیرو ہیں۔ انسانیت کے رہبر اور قائد ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگیاں فنا کر دیں تو قوم کو منزل مل گئی۔ آزادی، غیرت اور قیادت ان کے حصہ میں آئی۔ اس لئے ان کے متعلق فرمایا گیا کہ ان کو مردہ مت کہو یہ تو زندہ ہیں۔ ان کے اعمال، ان کے کردار اور ان کا پیغام زندگی سب کچھ زندہ سلامت ہے۔ جب دنیا سے رخصت ہو رہے ہوں تو غسل دینے کی ضرورت نہیں یہ پاک مطہر ہیں۔ ان کو کفن نہ پہناؤ۔ خون کے کپڑوں میں خدا کے سپرد کر دو۔ جن لوگوں نے باطل کو مٹایا اور حق کو سربلند کر دیا ان کے نام دنیا میں مٹائے نہیں جاسکتے۔ فرعون مٹ گیا، سیدنا موسیٰ زندہ ہے۔ ابولہب ہلاک ہوا، سید الرسل ﷺ کا ذکر بلند ہے۔ یزید ناکام ہوا حسین کا نام روشن ہے۔

محبت کس سے کی جائے؟

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ‌ؕ (البقرہ:۱۶۵)

"اور انسانوں کچھ ایسے انسان بھی پائے جاتے ہیں، جو خدا کے سوا دوسری شخصتوں کو اس کا ہم پلہ بنا کر رکھتے ہیں اور پھر ان سے بھی وہی چاہت رکھتے ہیں جسی اللہ سے چاہت ہوتی ہے۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو ان کے دلون میں تو سب سے زیادہ محبت فقط اللہ کی ہی ہوتی ہے۔ یہ بات اب ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ ہاں اس وقت جب عذاب کو دیکھیں گے تو یہ بات سامنے کھل کر آئیگی۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان اور ان سے محبت کرنا، یہ دونوں چیزیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اگر آپ کسی دوسری شخصیت سے اللہ جیسی محبت کر رہے ہیں تو پھر آپ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا ہم پلہ قرار دے رہے ہیں۔ دنیا میں کسی اور شخصیت کو خدا کے برابر کرنے سے ایمان او وتوحید میں خلل آجاتا ہے اور آپ کا عقدہ توحید مجروح ہو جاتا ہے۔ مومن کی علامت اور شفافت یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والا ہو جب کہ مشرک کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مخلوق میں سے کچھ شخصیات کو اس طرح چن لیتا ہے کہ وہ ان میں پھنسا رہتا ہے۔ دل کا میلان ان کی طرف ہوتا ہے۔ ہر وقت ان کا تذکرہ کرتا رہتا ہے۔ اپنے دلی جذبات ان شخصیتوں سے وابستہ رکھتا ہے۔ یہ قلبی جذبات اگر اللہ کے مقابلہ میں غیروں کے ساتھ ہو جائیں تو یہی شرک ہے۔ مشرک کی قیامت کے دن نجات نہیں ہوگی۔ غیر اللہ سے محبت کرنے میں گذری ہوئی مقدس شخصیات، اولیاء، آئمہ بھی شامل ہیں۔ اور انسان اپنی زندگی میں مرشدوں کی محبت میں بھی پھنس جاتا ہے۔ جماعتوں کے قائدین اور پارٹی کے لیڈروں کی چاہت میں بھی ہر وقت ان کا ثنا گو رہتا ہے۔ ان کا دفاع، ان پر جان قربان کرنے کا جذبہ موجزن رہتا ہے۔ یہ بھی غیر اللہ سے وابستگی کی علامت ہے۔ انسانوں کو ایسی گری ہوئی حرکتوں سے باز آنا چاہیئے۔

شرک کو سمجھنے کا موقعہ

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرہ:۱۶۵)

"کاش یہ ظالم دیکھیں، اس عذاب کو آنکھوں سے دیکھیں (اور یہ عذاب دیکھ کر ہی اس حقیقت کو پالیں گے) کہ قوت اور طاقت تو خدا کے پاس ہی ہے۔ (شرک کی حقیقت واضح ہو جائیگی کہ مخلوق کے پاس تو کوئی قوت نہیں ہے)۔"

موجودہ دنیا میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ اس لئے ظاہر پرست انسان، کسی نظر میں آنے والی ہستی یا شخصیت کو خدا کا مقام دے دیتے ہیں۔ ان ہستیوں میں انبیاء، اولیاء مذہبی پیشوا، سردار، لیڈر اور مخلوق کی کچھ طاقتور چیزیں بھی شامل ہیں۔ یہ چیزیں عام طور پر انسانوں کے مرجع وماویٰ بن جاتی ہیں۔ ان کو ہی معبود بنا کر خدا کے خلا کو پر کیا جاتا ہے۔

انسان کو ظاہری طور پر کوئی پر رونق چیز یا کوئی باکمال شخصیت نظر آتی ہے یا پھر کسی مقام یا کسی اعلیٰ حسب و نسب کی طرف نسبت رکھنے والی ذات دکھائی دیتی ہے تو وہ اس کی طرف جھک جاتا ہے اور پھر اسکو خدا کی جگہ پوجنا شروع کر دیتا ہے۔

مخلوق میں سے کسی ہستی یا ظاہری طور پر باکمال چیز ہوا، آگ، پانی پہاڑ، ازدھا وغیرہ کو خدا بنانے کا کاروبار اس وقت تک جاری رہے گا جب تک خدا انسانوں کے سامنے دیکھے گا اور دیکھ لے گا کم ساری توثیق اس کے پاس ہی ہیں اور انہوں نے جس کو بھی اپنا معبود بنالیا تھا یا جن کو بھی قوت اور طاقت سونپی تھی یا عقیدہ گھڑ لیا تھا وہ سارے کے سارے بے بس اور لاچار محض ہیں، وہ سب فنا کے گھاٹ اتر چکے ہیں اور عجز وانکسار کی کنیت میں مبتلا ہیں۔ اس وقت مشرکوں کے لئے خدا کا دردناک عذاب سامنے ہو گا ان پر اپنے بنائے ہوئے

معبودوں کی اپنے زعم میں گھڑی ہوئی قوت کھل جائیگی وہ پوری طرح شرک کے نتائج سے آگاہ ہو جائینگے اس وقت وہ معبودوں سے بیزار ہوں گے **وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ** "تمام سہارے امیدیں اور آسرے ٹوٹ جائینگے۔ پوری زندگی کا عمل اور فدائیب کے مظاہرے رائگان نظر آئیں گے۔"

اندھی تقلید

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ

(البقرہ: ۱۷۰)

"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو ہدایت (قرآن) نازل کی ہے اس کی پیروی کرو تو جواب میں کہتے کہ نہیں! ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے جس پر اپنے آباؤ واجداد کو چلتے ہوئے دیکھتے آرہے ہیں۔"

کسی بھی قوم کی بنیادی گمراہی بلکہ عالمگیر گمراہی یہ ہوتی ہے کہ وہ قدامت پرستی اور توہم پرستی میں مبتلا ہو کر، کسی بھی ہدایت اور روشنی کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی ہے بلکہ روشنی کے سامنے آتے ہی کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس روشنی کی طرف نہیں آئیں گے، ہمارے لئے یہ اندھیرے راستے ہی اچھے ہیں۔ کیونکہ ان پر ہمارے بزرگ چلتے آئے ہیں۔ اگرچہ ان کے گذرے ہوئے لوگ کتنے ہی بھٹکے ہوئے کیوں نہ ہو کتنے ہی راہ راست سے ہٹے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ مگر یہ لوگ عقل وبصیرت کی راہ پر آنے کے بجائے بڑوں کے پیچھے چلنے پر قائم رہتے ہیں، اصول و نظریات کے بجائے ان کو شخصیات کی اندھی تقلید نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات، عبادت، تجارت، لین دین، عدالت کے قوانین اور عدل واحسان کے حقوق کو پورا کرنے کا جب انکو کہا جائے کہ اسلام کے پورے ضابطہ حیات پر عمل کرو تو یہ لوگ اپنے بڑوں کے رسم ورواج۔ ان کو کلچر روایات اور معاشرے کی جکڑبندیوں کو مقدم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کو چھوڑ نے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ایسی قومیں بالآخر تباہ وبرباد ہو کر رہتی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایمان کا راستہ عقل وبصرت کا راستہ ہے اور کفر کا راستہ اندھی تقلید اور آباؤ پرستی کا راستہ ہے۔ دلیل، شہادت اور برھان کی موجودگی میں، گذرے ہوئے پیشوائوں کے قول و عمل کو دلیل سمجھنا اور سند قرار دینا راہ ہدایت میں سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہی چیز علم وبصیرت کی نفی ہے۔

قصاص میں زندگی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ (البقرہ: ۱۷۸)

"اے اہل ایمان! جو قتل کر دے جائیں ان کا تمہیں قصاص لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ بدلہ لینے میں ہر انسان دوسرے کے برابر ہے۔"

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں عربوں کے ہاں دستور تھا اگر کسی اونچے خاندان کا فرد قتل کر دیا جاتا تو وہ قاتل کے خاندان کے بہت سے آدمی قتل کر دیتے اگر کسی اونچے گھرانے کا کوئی غلام قتل ہو جاتا تو بدلہ میں قاتل کے خاندان کے کسی آزادی آدمی کو قتل کرتے خواہ قتل کرنے والا غلام ہی ہوتا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اونچے گھرانے کے غلام کی قدر ادنیٰ گھرانے کے آزاد مرد کے برابر ہے اس لئے غلام کو نہیں بلکہ آزاد کو قتل کیا جائے۔ قرآن مجید کی تعلیمات نے اس نسلی امتیاز اور فرق کو ختم کر دیا اور حکم دیا کہ جہاں تک انسان ہونے کا تعلق ہے سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ قصاص درحقیت مساوات انسانی کا اعلان ہے۔اس سے نسل وشرافت کے گھڑے ہوئے فرق اور امتیازات کو مٹانا مقصود ہے۔

اے ارباب دانش! قصاص کے حکم میں اگرچہ ظاہری طور پر ایک انسانی کے ہلاک ہونے کے بعد دوسرے انسان کی ہلاکت کو گوارا کیا جاتا ہے مگر یہ ہلاکت نہیں بلکہ اس میں آپ کے لئے زندگی ہے۔ قصاص مین نفس کی حفاظت ہے۔ یہ قتل نفس نہیں۔ اس میں احترام آدمیت اور وقار انسانیت کے پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔

رسموں کی زنجیر

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (البقرہ:۱۸۹)

"اسلام کی تعلیمات آنے سے پہلے نیکی کا تصور غلط حد تک مٹ چکا تھا۔ تکلیف برداشت کرنا سادگی کے مقابلہ میں رسموں اور توہمات میں پھنسے رہنا۔ خدا کی رضا کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ نیکی کے تصورات کے تحت عبادات میں بھی جعلی پابندیاں داخل کی گئی تھیں۔"

جو ایک عظیم الشان عبادت ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال قربانی کی یادگار ہے۔ مشرک بھی بعثت نبوی سے پہلے حج کرتے تھے مگر انہوں نے اسمیں بھی غلط رسمیں داخل کی تھیں۔ ایک رسم یہ تھی کہ احرام حج باندھنے کے بعد اپنے گھر کے دروازے کو استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ دروازے کے بجائے دیوار کو پھاند کر گھر میں داخل ہونا پڑتا تھا۔ دروازے سے داخل ہونے کو وہ گناہ تصور کرتے تھے۔ گھر کے پیچھے سے آنے کو نیکی خیال کرتے تھے۔ اس آیۃ کریمہ میں اس بدرسم کی اصلاح کی گئی فرمایا گیا کہ نیکی اس میں نہیں ہے۔ کہ گھروں میں پیچھے سے داخل ہو جاؤ۔ اچھے انسان بنو! گھر میں دروازے ہی سے داخل ہو جاؤ۔ نیکی تو صرف یہ ہے کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے کوئی کام بھی اللہ کی معصیت کیوجہ سے نہ ہونے چاہئے۔ خدا کی نافرمانی سے بچنا ہی تقویٰ ہے۔

اس آیت سے سبق ملا کہ انسان کی بنائی ہوئی کوئی بھی بدرسم کو مٹانا چاہیئے۔ ایسے رسوم ورواج اور اعمال جن کو نیکی وراجر اسجھ کر، ثواب کی امید پر کیے جاتے ہیں وہ بدعت ہیں اور بدعت کھلی ہوئی گمراہی

ہے۔ یہ اعمال بظاہر کتنے بھی اچھے لگتے ہیں اوران کی نسبت کتنی ہی مقدس شخصیتوں سے کی جائے مگر یہ ہے گمراہی۔ اور یہ بات خدا کی معیشت اور نافرمانی کے زمرے میں آئے گی۔

فتنہ کو مٹانے کیلئے جنگ

وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ‌ۚ (البقرہ:۱۹۱)

"اہل مکہ نے اعلان جنگ کرر کھاہے اوراب تمہاری طرف سے بھی اعلان جنگ ہے۔"

جہاں کہیں انہیں پاؤ انہیں قتل کرو اور جس جگہ سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تو انہیں لڑ کر نکال باہر کرو۔ (یہ فتنہ وفساد فی الارض ہے) اس کو ہر گز قائم نہیں ہونا چاہیئے اس لئے کہ فتنہ کا قائم رہنا قتل وخونریزی سے بھی بڑھ کر (اس لئے اس کو مٹانا چاہیئے)

قرآن مجید ، مسلمان کو انسانیت کا اعلیٰ نمونہ بنا کر پیدا کیا ہے وہ اپنے قول وعمل سے اخلاق حسنہ کا علمبر دار ہے۔ انسانیت کا کامل نمونہ بننے کے لئے اسے پوری آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق ملنا چاہیئے ۔اسلام نہ کسی کی آزادی چھینتا ہے نہ اپنی آزاد قربان کر سکتا ہے۔ نہ وہ ایسے نظام اور معاشرہ کو گوارا کر سکتا ہے جو امن آزادی اور حریت کو مٹانا چاہتا ہے۔ جو معاشرہ انسانیت کو غلام رکھنے پر اصرار کرتا ہے اور جبر وظلم کے ذریعہ اپنے آپ کو قائم رکھتا ہے، اسلام اسے انسانیت کے لئے عظیم فتنہ قرار دیتا ہے۔ اور فتنہ کے مٹانے کے لئے جنگ جیسی برائی اور فتنے باز انسانوں کو قتل کرنے جیسے ناپسند کام کو بھی گوار کر لینا ہے بلکہ حکم دیتا ہے کہ فتنہ اور ظلم کی بیخ وبنیاد کو اکھاڑ دینا انسانیت کی بہترین خدمت ہے۔ اس سے پہلے کہ فتنہ پھیل جائے اور پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے اس کو ابتدائی طور پر ہی نیست ونابود کیا جائے۔ فتنہ اور جبر کے ذریعہ انسانیت غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ اوراس کی شدت آنے کے بعد لاکھوں انسانوں کے قتل کرنے سے مفر نہیں ہو گا اس لئے ابتدا میں ہی چند لوگوں کا قتل فلاح انسانیت کے لئے لازمی ہے۔ اسلام کی جنگ جبر، ظلم اور غیر اللہ کی ایسی حاکمیت کے خلاف ہے جو انسانوں کو غلام بنا کر اپنے آپ کو خدا بنانے کی سرکشی پر مبنی ہو۔ جو انسانوں کے وسائل رزق پر قبضہ کر کے دولت کو چند ہاتھوں میں دینے پر اصرار کرے اور باقی کروڑوں انسانوں کو محروم کر کے انکو جانوروں جیسی زندگی گذارنے پر مجبور رکرے۔ ایسے ظالموں، جابروں اور مشرکانہ معاشروں کے خلاف جنگ عقل وفطرت کے عین مطابق ہے ان کے استحصال ہے اور سامراجی مقاصد کو کچلنا اور ان کی قیادت اور سیادت سے عوام کو نجات دلانا اسلام کا بنیادی ہدف ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۖ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (البقرہ:۱۹۵)

"اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ (جہاد کی اعانت سے غافل ہو کر) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو۔ مال خرچ کر کے نیکی کیا کرو۔ یقیناً اللہ کی محبت ان لوگوں کے لئے ہے جو نیکی کرنے والے ہیں"

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم صرف زکوٰۃ کے ذریعہ غرباء اور مساکین کو دینے سے پورا نہیں ہوتا۔ یہ تو آخری درجہ کا حکم ہے کہ حالات معمول کے مطابق ہوں۔ لوگ خوشحال ہوں۔ ریاست خود کفیل ہو تو صرف زکوٰہ کی ادائیگی سے فریضہ انفاق پورا ہو جاتا ہے۔ مگر حالات غیر معمولی ہوں۔ کروڑوں لوگ غربت کی آخری حد تک پہنچ چکے ہوں۔ ریاست کے پاس جہاد کرنے اور اعداء اسلام سے لڑنے کے لئے اسلحے اور ہتھیار تک نہ ہوں مگر دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو چکی ہو تو اسلام حکم دیتا ہے کہ ضروریات زندگی پورا کرنے کے بعد ہر چیز اللہ کی رضا کی خاطر لٹا دو۔ غریبوں اور مسکینوں کی بھرپور مدد کرو، اپنا مال جہاد کے لئے ریاست کے حوالے کرو۔ اگر اسے وقت اس مرحلہ میں مال خرچ کرنے سے غفلت کرو گے اور بخل کا مظاہرہ کرو گے او رصرف زکوٰۃ ادا کرنے تک اپنے آپکو محدود کرو گے تو یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہو گا۔ جہاد کے موقعہ پر انفاق فی سبیل اللہ عظیم ترین عبادت ہے۔ خود جہاد کے لئے نکلنا تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ جہاد کی تیاریوں میں مال صرف کرنا باقی عبادتوں سے اہمیت رکھتی ہے۔ فرمایا گیا کہ جہاد میں مال خرچ نہ کر کے گویا پوری امت کو ہلاکت میں پھینک رہے ہو اور اسلام کے غلبہ میں رکاوٹ بننے کے مجرم بن رہے ہو۔ مسلمانوں کو مدینہ طیبہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب جہاد کے لئے تمام مالی وسائل کو جھونکنے کا حکم فرمایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے اور دنیا سے ظلم وجور کے خاتمہ کے لئے انفاق اور جہاد مسلمانوں کے دو بڑے ہتھیار ہیں۔ ان کو استعمال کرنے سے قوت اور غلبہ ہو گا۔ ان کے ترک کرنے سے ذلت اور مغلوبیت ہو گی پھر ہلاکت مقدر بن جائیگی۔

"احسنو" سے یہاں مراد مال خرچ کرنے کی نیکی ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ کے ذریعہ فقط ڈہائی فی صد مال خرچ کرنے کے بعد بری الذمہ بن جاتے ہیں وہ روح اسلام سے واقف نہیں ہیں ان کو شیطان نے افلاس کا ڈر دیکر بخیل بنا کر رکھا ہے اور انسان مال خرچ کرنے میں بڑا ہی کمزور واقع ہوا ہے۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ "مسلمان کو شیطان کے حربوں کو سمجھنا چاہیئے اور ان کے منصوبوں اور چالوں کو ناکام بنانا چاہیئے۔"

دین اور دنیا ساتھ ساتھ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط (البقرہ:۱۹۸)

"اس میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے کہ اگر تم (اعمال حج ادا کرنے کے ساتھ) اپنے پروردگار کے فضل (مال ودولت) کی بھی تلاش میں رہو۔"

زمانہ جاہلیت میں حج کے ایام میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز وغیرہ بڑی تجارتی منڈیاں لگتی تھیں جہاں لوگ خوب تجارت کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد لوگوں نے خیال کیا کہ عبادت کرنے کے ایام میں تجارت کرنا مناسب نہیں۔ جو لوگ مال تجارت لے کر آتے تھے یا اونٹ بھر کر مال لے آتے تھے یا جانوروں

کا کاروبار کرتے تھے، ان کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس غلط فہمی کی تردیدی کر دی۔ یہ اصول بتادیا کہ خدا پرستی اور دینداری کاراستہ، دنوی معیشت اور فلاح وترقی کے خلاف ہر گز نہیں ہے۔ اسلام ایک ایسی مکمل زندگی چاہتا ہے جس میں دنیا اور آخرت کی جملہ سعادتیں موجود ہیں حج ایک عبادت ہے مگر یہ عبادت دنوی کاروبار سے نہیں روکتی۔ مال دولت کو اللہ تعالیٰ کافضل قرار دے کر، اس کی تلاش کرنا اور اس میں معروف رہنا پسندیدہ عمل کہا گیا دین اور دنیا کی تفریق، انسانوں کی عالمگیر گمراہی رہی ہے۔ عام طور پر انسان یا تو ایک طرف مائل ہو گئے یا پھر دوسری طرف دنیا میں شب و روز مشغول ہو گئے تو آخرت کی یاد باقی نہ رہی یا آخرت کی طرف اتنا میلان بڑھ گیا کہ رھبانیت کی راہیں اختیار کی گئیں اور دنیا سے تعلق توڑ دیا۔ اسلام اس کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ہر ایسا کام جو خدا کے احکام کے تحت سر انجام دیا جائے۔ جو کاروبار عدل وانصاف کو ملحوظ رکھ کر کیا جائے وہ عین عبادت ہے اس پر خدا کے ہاں اجر ملے گا۔ التاجر الصدوق مع النبیین "دیانتدار تاجر خدا کے پیغمبروں کے ساتھ جنت میں ہو گا۔"

ایک جامع دعا

فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ۝ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ:۲۰۰ تا ۲۰۱)

"لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی دنیا کے پجاری لوگ ہیں جن کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ خدایا! ہمیں جو کچھ دینا ہے وہ سب کچھ اس دنیا میں ہی دے دے۔ پھر ان کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا (مگر دنیا میں بھی جو مقدر ہے وہی ملے گا) اور انسانوں میں سے ایسے بھی ہیں جو (دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح چاہتے ہیں) کہتے ہیں اے خدا! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی احسان فرما۔ اور ساتھ ہی عذاب جہنم سے بھی ہماری نجات فرما۔"

اس آیت کریمہ میں انسانون کے دو ذہینوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک گروہ پر دنیا کی حرص وہوا، مال ومتاع کی کشش، دنوی زندگی کا عیش وآرام اور دنون اقتدار واختیار کی طلب چھائی رہتی ہے۔ اس کو آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوئی۔ وہاں کیا ہو گا۔ کیسا ہو گا، چھوڑان باتوں کو اس وقت جو سامنے ہے اس کا سوچو! ایسے لوگوں پر دنوں زندگی ہر چیز پر مقدم ہوتی ہے۔ پھر اس کے متعلق ہی سوچتے ہیں۔ دعا کرتے ہیں اور خدا سے مانگتے ہیں تو بس یہی کہ یا خدا! ہمیں جو کچھ دینا ہے اس دنیا میں سب کچھ دے دو۔ حرص ولالچ کے یہ پیکر اپنی عاقبت کو قربان کر دیتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کو دنیا میں جو کچھ مقدر ہے وہی ملے گا، شاید کچھ لوگوں کو دنیا کے انبار بھی مل جائیں اور اختیار واقتدار کی ہوس بھی پوری ہو جائے مگر ان کیلئے آخرت میں کچھ نہیں ہو گا۔ سوائے عذاب جہنم کے ان کو کچھ نہیں ملے گا۔

انسانوں کا ایک دوسرا گروہ بھی ہے یہ خدا کے پسندیدہ انسان ہیں ان کو دنیا کی بھلائی مطلوب ہے۔ مگر آخرت کی قیمت پر نہیں بلکہ وہ رب تعالیٰ سے مانگتے ہیں کہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ہمیں آپ کی

بھلائیاں، نعمتیں، اچھائیاں اور رضا ایزدی چاہیئے۔ خاص طور پر آخرت میں ہمیں جہنم کے عذاب سے قطعی طور پر محفوظ رکھیئے۔ اس میں ہماری فلاح وکامیابی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضور کریم ﷺ (فداہ ابی وامی) اس جامع دعا کو اکثر طور پر پڑھتے تھے۔ غور کیا جائے تو یہ دعا ہے ہی ایسی بے مثال کہ مومن کو اس کا ہمیشہ تکرار کرنا چاہیئے کیونکہ دونوں جہانوں کی سعادتیں اس میں شامل ہیں۔

حکمران کا غرور

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (البقرہ: ۲۰۵)

"جب انہیں حکومت مل جاتی ہے تو ان کی تمام سرگرمیاں ملک میں اسلئے ہوتی ہیں کہ وہ فساد پروازی پیدا کرے، انسانوں کی زراعت اور محنت کے نتیجوں کو برباد کرے ان کی نسل کو ہلاک کردے (دولت کا استحصال اور انسان کو غلام بنانا) اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ایسی فساد انگیزی جس سے زندگی اور آبادی میں ویرانی اور بربادی آجائے یہ خدا کو منظور نہیں۔"

اسلام دنیا کا نہیں بلکہ دنیا پرستی کا مخالف ہے۔ دنوی زندگی میں وہ غرور نفس، کبر، گھمنڈ اور بڑائی کی مذمت کرتا ہے۔ دنیا پرستی اور استکبار انسان کو شرافت کی منزل سے گرا کر رذالت کے گڑھوں میں پھینکتی ہے۔ اس کو اگر حکومت، اقتدار واختیار بھی مل جاتا ہے تو پھر وہ آپے سے نکل جاتا ہے۔ پھر ظلم وفساد کرنے پر اتر آتا ہے۔ دنیا پرست دوسروں کو قربان کرتا ہے مگر اپنی ذات کی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ دعویٰ کچھ بھی کیے جائیں۔ نعرے کیا بھی لگائیں اپنے آپ کو کتنا بھی تیس مار کہا جائے مگر انسانیت کی کسوٹی یہ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں سے کیسا سلوک کرتا ہے۔ ان کا رویہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیسا ہے۔

"فساد فی الارض" کی مثال زراعت اور نسل انسانی کی تباہی سے دی گئی ہے۔ زمین کو چند ہاتھوں میں دینے سے استحصال انسانیت کا مکروہ فصل سامنے آتا ہے۔ انسانوں کو ماتحت رکھ کر، ان کو غلامی میں جکڑ کر ان کی محنت پر قبضہ کرنے سے نسل انسانی کے بربادی وجود میں آتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ مغرور اور ظالم حکمران اس طرح کسے کارنامے کرکے خدا کے غضب کے مستحق بنتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے کم ظرف اور گھٹیا حکمرانوں نے ہمیشہ اس دنیا کو امن وسلامتی کا گہوار نہیں بلکہ بدامنی، فساد اور افلاس کا جہنم بنا کر رکھا ہوا تھا، جس میں بالا آخر وہ خود بھی حل خاکستر ہوگئے۔

اہل ایمان کا مذاق اڑانا

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ (البقرہ: ۲۱۲)

"منکرین حق کی نگاہوں میں تو صرف دنیا کی زندگی ہی سمائی ہوئی ہے۔ وہ ایمانی والوں کی بے سروسامانی دیکھ کر مذاق اڑاتے ہیں۔"

مصلحت اور مفاد کو سامنے رکھ کر زندگی گذارنے والے اور مفادات کو ٹھکرا کر زندگی گذارنے والے یہ دونوں رویے جدا جدا ہیں۔ پہلے لوگوں کو یہی دنیا اوراس کے عیش وآرام محبوب لگتے ہیں جب کہ آخرت کو ترجیح دینے والوں کو قرب خداوندی اورآخرت کی نعمتوں کا انتظار رہتا ہے۔

قرآن مجید کے نزول کے وقت جاہلیت کے نمائندے مشرکین کہا کرتے تھے کہ ان مسلمانوں کو دیکھیئے کہ آخرت کے خیال پر دنیا کی مصیبتوں کو اپنے سر لے لیا ہے اوراس محمد ﷺ کو دیکھو کہ ان فقیروں، محتاجوں اور بے بس لوگوں کو امداد سے طاقتور عرب سرداروں پر غالب آنا چاہتے ہیں اور دنیا بھر کی اصلاح ان بے سہارا لوگوں کی مدد کرنے سے توقع رکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے انہیں بتایا کہ ان کی یہ سوچ جہالت اور نادانی پر مبنی ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ ان غریبوں اور محتاجوں کو قیامت کے دن ان رئیسوں پر ایسی فضیلت دی جائیگی کہ یہ حیران ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ سب کچھ آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی ان بے سروسامانوں کو وہ رزق اور خزانے حاصل ہوئے کہ قیصر وکسریٰ کی حکومتیں ان کے قدموں کے نیچے آگئیں اور یہ لوگ دولت دنیا سے بھی سرفراز ہوئے اور حکومت وقیادت بھی ان کے حصہ میں آئی۔ پھران مشرکین کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ جس دنیا کے عیش وآرام پر یہ لوگ اتراتے ہیں وہ توبہت عارضی اور فانی ہے جس کو جلدی ہی چھوڑ کر جانا ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ دیکھ لیں گے کہ اہل ایمان توبڑے عقلمند، دانا اور سیانے لوگ تھے اور وہ خود اپنے آپ کو احمق اور جاہل قرار دیں گے کیوں کہ وہ اصل حقیت کو سمجھ نہیں سکے۔

تمام انسان ایک امت ہیں

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (البقرہ: ۲۱۳)

”ابتدا میں ایسا تھا کہ لوگ سب کے سب ایک امت واحد تھے۔ پھر انہوں نے دین میں اختلاف ڈالا اور گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم ہوگئے پس اللہ تعالیٰ نے ایک بعد ایک نبیون کو ان انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا تا کہ یہ ایمان وعمل کی برکتوں سے آگاہ کریں اورانکار اور بد عملی کے نتائج سے ان کو خبر دار کریں۔“

نسلِ انسانی شروع ہونے کے بعد سب لوگ ایک امت اورایک جماعت تھے۔ آپس میں تقسیم شدہ نہیں تھے بلکہ متحد الخیال تھے۔ سب کا دین ایک ہی تھا۔ وہ فطرت کے مطابق سادگی اورانکسار کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے۔ پھر زمانہ آگے بڑھا۔ نسل انسانی میں کثرت ہوئی۔ پھر آپس میں انا پرستی، حسد اور مفادات سامنے آئے اوراختلاف کرنا شروع کیا۔ توحید کے بجاء وہم پرستی اور شرک کی طرف مائل ہونے لگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں مختلف قوموں میں رسول اور بنی مبعوث فرماتے رہے، تا کہ ان کو شرک کے نتائج

سے آگاہ کریں اور ایمان پر قائم رہنے پر آخرت کے انعامات یاد دلاتے جائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا ایک دین تھا۔ ایک ہی دعوت تھی، وہ دعوتِ توحید تھی۔ اس میں تفرقہ اور انتشار پیدا کرنا منکرین حق کا کام ہے۔ اب توحید پر لوگوں کو جمع کر کے ایک امتِ واحدہ قائم کرنا انبیاء علیہم السلام کا مشن ہے۔ یہی کام اہل ایمان کو کرنا چاہیئے۔

ضرورت سے زائد دولت تقسیم کردو

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (البقرہ:۲۱۹)

"تم سے اہل ایمان پوچھتے ہیں کہ اپنی دولت میں سے کتنا خرچ کریں؟ ان سے کہ دو کہ تمہاری جائز ضروریات زندگی سے جو دولت بچ جائے وہ سب کی سب محتاجوں اور ناداروں میں تقسیم کرلو۔"

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں انسانی سوسائٹی کی مالی حالت کو ہمیشہ کے لئے مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے ایک بنیادی اصول بیان فرمایا ہے۔ اس قانون الٰہی پر عمل کرنے سے وہ مقصد بہتر طریقہ پر پورا ہو جاتا ہے جس میں آج کی دنیا پریشان اور سرگردان ہے۔ آج کے دور میں بہت ساری قومیں معیشت کے نظام میں ٹھوکریں کھا رہی ہیں۔ کہیں افراط ہے کہیں تفریط، کہاں انفرادی ملکیت کا انکار کیا جاتا ہے۔ کہیں ذاتی ملکیت کو تقدس کے درجہ پر رکھا ہوا ہے۔ کہیں ٹیکسوں کے بوجھ تلے انسان کراہ رہے ہیں۔ کہیں کروڑوں لوگ غربت کی نچلی مسلح پر پہنچ کر خود کشیاں کر رہے ہیں۔ کہیں خیرات اور چندہ جمع کر کے لوگوں کی خوراک کا انتظام کیا جارہا ہے۔ ان حالات میں قران مجید نے مالی کفالت اور معاشرہ کو متوازن رکھنے کے لئے ایک زبردست معاشی اصول عطا فرمایا ہے اور یہ کہ ہر انسان جائز طریقہ سے خوب دولت کو کماتے۔ زمین سے کھیتی کے ذریعے، تجارت میں رقم لگا کے، فیکٹری اور مل کے ذریعہ نئی نئی اشیاء ایجاد کر کے، جو سرمایہ مال و متاع اس کو حاصل ہوا اس میں سے اپنی اور زیر کفالت افراد کی متوسط طرز زندگی کے مطابق اخراجات کر کے باقی جو دولت اور مال و متاع بچ جائے وہ سب کا سب ریاست کے حوالے کر دے۔ رضا کارانہ طور پر، دل کی خوشی سے صرف خدا کی رضا کے خاطر یا انفرادی طور پ اپنے رشتہ داروں، اپنے پڑوسیوں اور عام محتاجوں اور ناداروں اور محروم لوگوں پر خرچ کر دے۔

اس معاشی اصول پر اگر ریاست کا نظام قائم ہو تو یہ ریاست فلاحی ریاست ہوگی اور عدل اجتماعی کا قیام عمل میں آئے گا۔ پھر کوئی غریب نادار اور محروم شخص کہیں نظر نہیں آئے گا۔ انسانی سوسائٹی سے طبقات ختم ہو جائینگے۔ دولت والے متوسط زندگی گذاریں گے۔ محدود شخص خوشحالی والی زندگی بسر کر سکیں گے۔

خدا کے احکام کو پائمال کرنا

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ: ۲۲۹)

"جو کوئی شخص کو مقرر کردہ حد بندیوں کو توڑ دیتا ہے تو ایسے لوگ ہی ہیں ظالم انسان"

قرآن مجید نے انسانوں کو انفرادی اوراجتماعی زندگی گذارنے کے لئے کچھ شرعی احکام اور کچھ فطری قوانیں عطا کیے ہیں۔ یہی "صراط مستقیم" ہے ان قوانین مین اعتدال، توازن، جامعیت اور حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ قوانین نکاح، طلاق، عدت ورثے اور طہارت سے متعلق ہوں یا قصاص، کفارے، جہاد، انفاق، جنگ اور صلح سے تعلق رکھتے ہوں، ان میں سکون اوراطمینان قلب موجود ہے۔ اخلاقیات اور معاہدات سے متعلق، اسلام کے عطا شدہ قوانین توانسان ذات کے لئے ایک عظیم نعمت کادرجہ رکھتے ہیں۔ دنیا کے تمام داناء راز انسان فطرت کے پرچارک، مصلحین، انبیاءورسل علہیم السلام نے اپنے اپنے دور میں ان اصولوں کی تبلیغ کی ہے۔

انسانوں کوان پر جمع کیاہے۔ انسانون نے تسلیم کیاہے کہ ان فطری اصولوں پر چلنے سے یہ دنیاامن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ پس اگر کچھ فسادی اور گرے ہوئے انسان جن کی فطرتی انسانی مسخ ہو چکی ہے۔ وہ ان اصولوں اور قوانین کو توڑ ڈالتے ہیں اور غیر فطری زندگی کی طرف انسانوں کو کھینچ رہے ہیں توایسے لوگ نہ صرف فطرت کے مخالف اورانسانیت کے دشمن سمجھے جائیں گے بلکہ انکو ظالموں میں شمار کیاجائے گا۔

حکمرانی کاحق کسی کوہے

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ (البقرہ: ۲۴۷)

"اللہ تعالیٰ نے توطالوت ہی کو حکمران کی قابلیتوں کے لحاظ سے تم پر برتری دی ہے۔ اس لئے کہ طالوت کو علم کی فراوانی بھی ہے اور جسم کی قوت بھی ہے۔ یہ حق حکمرانی تمہارے دینے سے کسی کو نہیں مل سکتی بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتاہے اپنی زمین کی حکمرانی بخش دیتاہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت میں وسعت رکھنے والااور بہت کچھ جاننے والاہے۔"

قرآن مجید کی یہ آیت تاریخی پس منظر رکھتی ہے آج سے غالبًا تین ہزار سال قبل حضرت داؤدؑ کے دورسے قبل ،بنی اسرائیل شام اور فلسطین میں شکستوں سے دوچار تھے ان میں اس وقت ایک پیغمبر حضرت شموئیلؑ موجود تھے مگر وہ بہت بوڑھے ہوچکے تھے۔ بنی اسرائیل نے ان سے گذارش کی کہ ہم پر کوئی بادشاہ یاسردار مقرر کیجئے جس کی قیادت میں ہم دشمن کامقابلہ کرسکیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان پر طالوت کو سپہ سالار مقرر فرمایااور کہا کہ ان کی قیادت میں جنگ کرو۔ بنی اسرائیل حسب معمول اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے اور کبر میں مبتلاہوگئے کہنے لگے کہ ہم طالوت کی کس طرح اطاعت کرسکتے ہیں۔ وہ توایک نادار اور غریب شخص ہے۔ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ ان کے پاس توکوئی مال ودولت ہی نہیں ہے۔ ایسے بے کس انسان کی قیادت ہم کیسے قبول کرسکتے ہیں۔ پیغمبر نے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازاہے اور بہادر شخص ہے ،یہی توقیادت کے اوصاف ہیں۔

قرآن مجید میں انسان کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ قیادت کے لئے حسب ونسب کی برتری اور دولت مند خاندان کے فرد ہونے کی حیثیت کو کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ علوم وفنون کی مہارت اور فیصلہ کرنے کی قوت

اور جر تمندی جیسے اوصاف کی اہمیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں افراد ہوں یا قومیں، ان کے اقتدار اور عروج کے لئے ایک قانون مقرر ہے اس میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہے۔ وہ قانون یہ ہے کہ جو قوم بھی اپنے عصری تقاضے پورے نہیں کرینگے، جدید علوم اور سائنسی علوم کی مہارت حاصل نہیں کرے گی اور اس میں اقدامات کرنے کی صلاحیت نہیں ہوگی تو وہ زوال کا شکار رہے گی اور غلامی کا مقدر ہوگی۔

اقلیت اور اکثریت کا فلسفہ

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ:۲۴۹)

"کئی بار (یہ بات تاریخ میں سامنے آتی رہی ہے کہ) ایک چھوٹا گروہ، ایک بڑے لشکر پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب آچکا ہے۔"

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے فیصلوں میں یہ بھی فیصلہ کئی بار انسانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ہمیشہ دیکھتی چلی آرہی ہے کہ بڑے بڑے لشکروں پر چھوٹے چھوٹے گروہ نے فتح حاصل کرلی ہے۔ منظم حکومتوں اور متمدن ریاستوں کو چند لوگوں نے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ فتح حاصل کرنے والے لوگوں میں حوصلہ ہو، جذبہ ہو، ایثار و قربانی کے پیکر ہوں وہ کوئی نصب العین لے کر اٹھیں، وہ دنیا سے ظلم وجبر کا خاتمہ چاہتے ہوں، انسانوں کو غلامی سے نجات دینے کا داعیہ رکھتے ہوں۔ غریبوں اور مسکینوں کی خوشحالی کا پروگرام پیش نظر ہو۔ پھر ان کے مقابل لوگ صرف عیاش، مسرف، مستکبر اور انسانوں کا استحصال کرنے والے ہوں تو پھر یہ بات قطعی طور پر یقینی ہے کہ تھوڑ افراد، لاکھوں لوگوں کی صفیں الٹ سکتے ہیں۔

(فرانس میں قربانی دینے والوں کو فتح ہوئی ۔ سویت یونین میں زار میں روس کا اس طرح حشر ہوا، ایران میں ایک بے سروسامان درویش شخص نے شہنشاہ ایران کا تخت الٹ دیا، اس سے پہلے اور بہت پہلے خلافت صدیقی میں تھوڑے سے مجاہدوں نے لاکھوں مرتدین کو نیست ونابود کردیا، خلافت فارقی میں مختصر لشکر نے روم اور فارس کی متمدن ریاستوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی)

اس آیت کریمہ میں کتنا بڑا واعدہ اور کس طرح مدد کا یقین دلایا گیا ہے کہ: مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (الانفال:۶۵) "تم میں سے بیس مجاہدیں دوسو بھاری بھرکم اور مسلح لوگوں کو شکست دے سکتے ہیں" ملت اسلامیہ آج بھی ایک عظیم الشان نصب العین لے کر اٹھے، اپنے صفوں میں اتحاد، یکجہتی اور یک دلی پیدا کرے۔ انسانوں کے لئے فلاح نظریہ کا قیام ان کا مقصود ہو تو کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی کہ وہ دنیا میں کفر پر غالب ہوجائیں اور "بندگی رب" کا نظام قائم کرلیں۔ پھر دنیا کو عدل اجتاعی کا نظارہ دکھائیں مگر دائے افسوس! ملت اسلامیہ منتشر ہے۔ قیادت اور مرکزیت موجود نہیں ہے۔ سامراجی قوتوں کے زیر سایہ اقدار کی جھگیوں میں رہنے کی عادی بن چکی ہے۔ مذہبی پیشوائیت یہودی علماء سو کی طرح بزدل اور حب دنیا میں مبتلا ہوچکی ہے۔

مدافعت سنت اللہ میں شامل

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرہ: ۲۵۱)

"اور اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعے دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا رہتا تو دنیا فساد سے بھر جاتی۔ (امن وعدالت کا نام ونشان باقی نہ رہتا) لیکن اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے فضل ورحمت کرنے والا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے کہ کوئی گروہ بھی ہمیشہ ایک حالت پر سدا قائم نہیں رہتا بلکہ اس کو مٹانے کے لئے قانون مدافعت جاری رہتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں ایک بہت بڑی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ اگر قوموں اور گرہوں کی باہم لڑائی اورایک دوسرے کو گرانے کا عمل جاری نہ رہتا۔ ہر گروہ کو اپنی حالت پر چھور دیا جاتا تو یہ نتیجہ نکلتا کہ زمین فساد اور ظلم سے بھر جاتی۔ پھر حق وانصاف کا نام ونشان مٹ جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اگر ایک گروہ ظلم وفساد میں آگے بڑھ جاتا ہے تو دوسرے گروہ کو مدافعت کے لئے اٹھایا جاتا ہے۔ ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی مزاحمت سے دفع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ظلم وستم کو مٹانے کے لئے جنگ ناگزیر ہے۔ پیغمبرانِ اسلام نے تفرقے اور فساد کی جگہ حق پرستی اور وحدت کی تعلیم دی، مگر انسانوں نے گروہ بندیاں پید کر کے فسادات کو جنم دیا اور خون ریزیاں کیں۔ اس لئے مدافعت کے لئے جنگ کرنا ضروری امر ٹھیرا۔ اگر اللہ چاہتا کہ تمام انسان ایک حالت پر قائم ہوں تو اس کے لئے جبر کرنا ضروری تھا۔ اختیار اور ارادہ کی قوت انسانی سے چھین لی جاتی مگر یہ امر "سنت اللہ" میں شامل نہ تھا۔ اس لئے ظلم وفساد انسان کرتے رہے اور جنگ کے ذریعہ اس کی مدافعت بھی جاری رہے۔

دین قبول کرنے میں جبر نہیں ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ:۲۵۶)

"دین کے قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ (کیوں کہ وہ دل کے عقیدے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جبر وتشدد سے عقیدہ پیدا نہیں کیا جا سکتا) بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہوگئی ہے (اب لوگوں کو اختیار ہے کہ جس راہ کو چاہیں اختیار کرلیں) پھر جو کوئی بھی طاغوت سے انکار کرے، (سرکشی وفساد سے بیزار ہو جائے) اور اللہ پر ایمان لے آئے تو بلاشبہ اس نے فلاح وسعادت کی مضبوط ٹہنی پکڑلی۔ یہ ٹہنی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے

والا ہے۔"

اس سے پہلے جہاد کا ذکر ہو رہا تھا۔ اب یہ بتایا جاتا ہے کہ جہاد کا مقصد یہ نہیں کہ کسی شخص کو جبری طور پر مسلمان بنایا جائے۔ جہاد کا مقصد تو فقط فتنے اور فساد کا خاتمہ کرنا ہے۔ باقی رہا دین کو قبول کرنا یا قبول نہ کرنا۔ یہ عقیدے سے تعلق رکھتا ہے، عقیدے کا تعلق دل سے ہے۔ بدن پر جبر تو کیا جا سکتا ہے، مگر دل پر کسی کا زور نہیں چلتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جبر کی ضرورت اس مسلک اور اعتقاد کو ہوتی ہے جس کے پاس دلیل نہ ہو اور اس کا مقدمہ بے وزن ہو۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کا ہر ایک جز روز روشن کی طرح واضح ہے۔ قرآن مجید نے غلط اور صحیح کو، کھرے اور کھوٹے کو، سچ اور جھوٹ کو، حق اور باطل کو، اندھیرے اور رشنی کی اس طرح ایک دوسرے سے الگ کر کے واضح کیا ہے کہ اب کوئی بھی شخص سلامتی عقل وہوش کے ساتھ اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے سے رک نہیں سکتا اس بحث کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلام کو قبول کرنے سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ یہ خود بندوں کی اپنی فلاح و سعادت کا معاملہ ہے کیونکہ ان کو ایک بھاری سہارا ہاتھ آ جاتا ہے جس کی بنا پر وہ آخرت میں بھی سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اسلام قبول کرنے کے نتائج جب انسانوں کے حق میں ہیں تو خدا کو اسلام کے لئے کسی چیز کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسلام قبول کرنے کا کام انسان کی اپنی مرضی کا سودا ہے۔ اسلامی حکومت کبھی بھی دوسرے مذہب رکھنے والوں کو کس قسم کا جبر نہیں کر سکتی۔ دور کیوں جائیں، ہندستان پر ہی نظر ڈالیں کہ وہاں ہندؤں کی اکثریت ہرگز نہ ہوتی، جہاں صدیوں تک مسلمان شان و شوکت سے حکومت کرتے رہے۔

انفاق کرنے کے بعد ذہنی اذیت

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ: ۲۶۲)

"جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ خرچ کرنے کے بعد ان پر نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ہی لینے والے کو اپنے کسی قول و عمل کے ذریعہ دکھ پہنچا کر ذہنی اذیت دیتے ہیں۔ تو ان کا اجر پروردگار کے ہاں محفوظ ہو گا یعنی اجر مل کر رہے گا۔ ان کے لئے کسی قسم کا ڈر ہو گا نہ ہی کوئی غم"

اللہ تعالیٰ کی رضا کے خاطر مسکینوں اور نادار افراد کی ضروریات کو پورا کرنا، مال کی شدید محنت کے ہوتے ہوئے، اس مال کو کسی دنوی غرض اور مفاد کے بغیر محروم اور پسے ہوئے لوگوں پر خرچ کرنا ایک ایسا عمل اور عظیم الشان نیکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو بہت بڑا اجر اور بدلہ عنایت فرماتے ہیں۔ تو دوسری طرف ایسے لوگوں کو دنیا میں اطمینان قلب کی کیفیت سے نوازتے ہیں کہ سکون و راحت سے بری نعمت اس دنیا میں تصور نہیں کی جا سکتی۔ دوسری طرف ان کو آخرت کے ہلاکت خیز حالات سے بالکل محفوظ فرماتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کسی قسم کا خوف اور غم نہ ہو گا۔

"انفاق فی سبیل اللہ" کے سلسلے میں دو بنیادی باتیں کہی گئی ہیں ایک یہ کہ کسی پر خرچ کرنے کے بعد اس پر کوئی احسان نہ جتایا جائے اور نہ ہی کوئی طعنہ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ جب ملے تو کہا جائے کہ کل تو غریب اور مسکین تھا، میں نے ہی تجھ پر احسانات کئے۔ یا یہ کہ تو بچپن سے ہی میرے ٹکروں پر چلتا تھا، آج میرے سامنے بڑے بننے پر۔ یہ طعنہ بازی اور ذہنی اذیت یا احسان یاد دلانے والی بات انفاق اور صدقہ کو ضائع کر دیتی ہے۔ اس پر خدا کی طرف سے کوئی اجر نہیں ملے گا اور نہ اس کی کوئی قدر و قیمت ہو گی۔ فرمایا گیا یہ تو ایسے شخص کے مانند ہو گا، جو ریا کے لئے دیا لوگوں میں پارسا بننے کے لئے خرچ کر رہا ہے۔ پھر یہ بدلہ وہ لوگوں سے لے خدا سے کیوں اجر کی امید رکھتا ہے۔ اس سے اچھا تو یہ ہے کوئی بات کہہ کر ٹال دے اور خرچ ہی نہ کرے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ جس پر کوئی مال خرچ کیا جائے تو اس سے ملنا جلنا بھی اگر ہو سکے تو کم کر دے اگر یہ بات محسوس ہو کہ ملنے جلنے سے اس کو احسان یاد کر جاتا ہے اور وہ اسکو بوجھ محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا واعدہ اور اس کا انعام

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ:۲۶۸)

"شیطان تم کو مفلس ہونے سے ڈراتا ہے اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور فضل و کرم کا یقین دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔"

مال و دولت کی محبت اس کو جمع کر کے رکھنے اور زیادہ سے ارادہ کمانے کی حرص، انسانی کی بڑی کمزوری رہی ہے۔ ملک و ملت کے اجتماعی امور یا انفرادی طور پر محروم افراد پر خرچ کرنے سے، انسان کو شیطان کی طرف سے یہ وسوسہ پیدا کیا جاتا ہے کہ خرچ کرنے کے بعد مفلس بن جائے گا۔ تیرے ہاتھ سے دولت نکل جائیگی تو پریشان ہو کر محتاج ہو جائیگا۔ اکثر انسان اس شیطانی دوکھے میں مبتلا ہو کر انفاق سے رک جاتا ہے اور "تکاثر مال" جیسی بیماری میں مبتلا ہو کر وہ انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانی درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ ایسے موقعہ پر اس کو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر توجہ کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیا ہے، وہ میں نے ہی دیا ہے اب اس میں اور زیادہ اضافہ بھی میں ہی کر سکتا ہوں، اس لئے میرے واعدے اور انعام پر یقین کر لے۔ میں تمہاری مغفرت کروں گا۔ یعنی جد و جہد کرنے میں ہر قسم کی کمی، کوتاہی کو نظر انداز کر کے پھر اپنے فضل (زیادتی) سے نوازلوں گا۔ میرے پاس رزق کے خزانے کشادہ ہیں اور میں ان میں سے سب کچھ دینے کے بعد بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی میں جانتا ہوں کہ کون شخص ہے، جو صرف میرے رضا کے خاطر، شیطان کو ٹھکرا کر انفاق فی سبیل اللہ کر رہا ہے۔ اس لیئے کہ دلوں تک کے رازوں کے جاننے والا بھی میں ہوں۔

علم اور حکمت

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (البقرہ:۲۶۹)

”وہ جسے چاہتا ہے حکمت دے دیتا ہے اور جس کسی کو حکمت سے نوازتا ہے، تو یقین کرلو کہ اس نے بڑی ہی بھلائی پالی اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو عقل و بصیرت رکھتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں حکمت سے مراد علم نافع ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے۔”الحکمۃ العلم النافع“حکمت نفعہ دینے والے علم کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ علم اور حکمت اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے۔اس پر کسی ایک قوم یا ایک گروہ کا لازمی حق نہیں ہے۔اللہ کی یہ مشیت ہے کہ کسی کو بھی اس نعمت سے سرفراز فرمائے۔ہاں جس کو بھی یہ نعمت عطا ہوگئی اس کو ایک بہت بڑی بھلائی مل گئی۔”خیرا کثیرا“عربی گرامر میں نکرہ ہے مفسرین کہتے ہیں کہ”التنکیر للتعظیم“ اس کا نکرہ ہونا عظمت بتلانے کے لئے ہے۔یعنی حکمت کامل جانا ایک عظیم نعمت، عظیم بھلائی اور عظیم کرم فرمائی ہے جس کی انتہا کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا اس کو حضور کریم ﷺ نے اس طرح تعبیر فرمایا کہ”اللہ تعالیٰ جس بندے پر کرم نوازی کرتا ہے تو اسکو دین کے فہم ”حکمت بالغہ“ سے مالامال کردیتا ہے“

قرآن مجید اور اسکے شارح علیہ السلام نے علم کی طلب کو کتنا شرف بخشاہے، یہ آیت کریمہ اس کی بڑی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی امی ﷺ پر جو پہلی وحی نازل فرمائی وہ تھی: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ”اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ اس کو پڑھیے جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔“حضرت ﷺ خود مجسمہ علم تھے اور پوری زندگی خدا سے جس چیز کو طلب کرتے رہتے تھے وہ یہ دعا تھی”رب زدنی علما“ میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

وفات کے بعد تمام اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر ایک عمل جاری رہتا ہے وہ ہے”علم نافع“ اس کو ہی اللہ تعالیٰ نے خیر کثیرا فرمایاہے۔اب یہ ہمارے ذمہ داری ہے کہ ہم پوری زندگی”حکمت دین“ سے وابستہ ہوجائیں۔

فلاح اور سعادت کا انتظام

الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (آل عمران:۱تا۲)

”الف،لام، میم۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ، کوئی نہیں مگر اس کی ذات مقدس وہی ذات”الحی“یعنی زندہ کہ اس پر زوال اور فنا نہیں ہے۔”القیوم“کی کائنات کی ہر شئ اس سے قائم ہے اور وہ خود اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے حی اور قیوم کا تقاضا ہے کہ وہ انسانوں کی تمام ضروریات کا انتظام فرمائے، انسانوں کا جس

چیز کی طرف احتیاج ہے وہ پورا کرے۔ احتیاج دو قسموں کا ہوتا ہے۔ ایک جسمانی دوسرا روحانی۔ جسمانی ضروریات کے لئے کائنات ہستی میں ہر چیز کو مہیا فرمایا ہے اور انسان کو جدوجہد، محنت اور صلاحتیں صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ روحانی احتیاج کے لئے دو چیزیں عطا کی گئی ہیں "ایک کتاب دوسرا فرقان" کتاب وحی الٰہی ہے جو بھرپور طریقہ پر استدلال کے ساتھ ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ فرقان ہے عقل وشعور، جو سمجھنے اور قبول کرنے میں معاون اور مددگار ہے۔ پہلی چیز ہے تعلیم اور دوسری چیز ہے استعداد تعلیم۔

جو لوگ بدبختی، انانیت اور نفس کی سرکشی کے سبب "الکتاب" کا مقابلہ کرتے ہیں، اس کی طرف رجوع کرنے کے بجائے اس سے اعراض کرتے ہیں، ساتھ ہی "فرقان" سے بھی کام نہیں لیتے بلکہ ضمیر کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے دنیا جس نامرادی اور محرومی لکھی جاتی ہے اور آخرت میں عذاب الٰہی ان کے لئے تیار ہوگا۔ جس خداوند قدوس نے انسان کیلئے اس دنیا میں یہ انتظامات فرمائے ہیں تو کیا وہ آخرت میں فلاح اور سعادت کا انتظام نہیں کرسکتا۔ انسان کا عقل وشعور ہی اس فیصلہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جس "الحی القیوم" نے یہاں ہر چیز کا انتظام کیا ہوا ہے وہی ذات مقدس آخرت میں بھی انسان کی فلاح اور خوشحالی کا انتظام کرسکتا ہے۔

نصرت الٰہی کا طریقہ

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط (آل عمران: ۱۳)

"اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے، اس کی تائید اپنی نصرت کے ذریعہ کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے بندے جب دعوت دین اور پیغام توحید پھیلانے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہوجاتے ہیں اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اس راہ میں جھونک دیتے ہیں۔ سود وزیاں یعنی نفعے اور نقصان کے سارے اندیشے، دنیا اور اس کی طرف کشش کے سارے روابط، آرام وآسائش کی ساری چیزیں ایک طرف ہٹا کر فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، قیامت کے دن کی سرخروئی کے لئے توحید کی مشن میں اپنے آپ کو وقت کردیتے ہیں تو ایسے بندگانِ خدا کو رب کریم کی طرف سے ایسی نصرت اور امداد ملتی ہے، جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتی۔ یہ نصرت ایزدی جس طرح ابنیاء اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کو اپنی دور میں ملتی رہی۔ ایسی ہی نصرت "انصاراللہ" کو آج بھی مل سکتی ہے اور مشاہدہ ہے کہ ملتی رہتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ نصب العین کو متعین کرکے نہایت استقامت اور ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ حق کا راہی بن جانا چاہیئے۔ ارشاد الٰہی کہ "قد کان لکم آیہ" آپ کے لئے ان دو گروہوں میں عبرت اور نصیحت کا سامان موجود ہے۔ جو دو گروہ بدر کے میدان پر ایک دوسرے کے سامنے برسرپیکار تھے۔ ایک گروہ دین حق کو غالب کرنے کے لئے قتال میں مصروف تھا اور دوسرا گروہ خدا کی حاکمیت اور الوہیت کا منکر تھا۔ دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ تعداد میں، اسلحہ میں اور مالی وسائل میں زیادہ تھا مگر نتیجہ یہ نکلا کہ منکرین حق کو زبردست شکست ملی اور مؤمنین صالحین فاتح بنے۔ اللہ تعالیٰ ہر دور میں اپنی نصرت جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ ایسے واقعات میں عقل وشعور رکھنے والوں کے لئے بڑا سبق موجود ہے۔

دنیا کی آسائشوں سے محبت

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ (آل عمران: ۱۴)

”انسانوں کے لئے دل کی چاہت اور رغبت کے لئے جن چیزوں کو مزین کیا گیا ہے ان میں عورتوں کی محبت، اولاد، چاندی سونے کے ذخیرے، نشانی زندہ گھوڑے، مختلف مویشی، زراعت (کھیتی اور باغات) ہیں۔ مگر یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کا عارضی سامان ہے۔ اصل گھر اور بہترین ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے گویا کہ ہمیں پیدا کر کے ایک امتحان گاہ میں رکھا گیا ہے۔ امتحان کا ٹھیک ٹھاک انتظام کیا گیا ہے۔ دنیا میں بے شمار آسائشوں اور کشش رکھنے والی چیزوں کو بھی تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ سب بھی انسانوں کو اپنی چاہت اور محبت میں گرفتار کرنے کے لئے بے تاب رہتی ہیں۔ اب انسان کا اس بات کا امتحان کیا جا رہا ہے کہ وہ اس مختصر اور فانی زندگی میں اور فقط چند روزہ حیاتی میں کس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ رہا ہے کہ وہ ادھر منہمک ہو جاتا ہے یا خدا کی ابدی تعلیمات جو کتابوں اور پیغمبروں کے ذریعہ انسان تک پہنچی ہیں، ان پر یقین رکھتا ہے آخرت کے دن پر اس کی نگاہ رہتی ہے اور وہ خدا اور آخرت کے دن کی چاہتوں کے لئے عمل صالح کرتا رہتا ہے یا نہیں۔ عام طور پر انسان کی بھول بھلیوں میں گرفتار ہو کر خدا اور آخرت کو فراموش کر دیتا ہے۔ وہ عورتوں کی محبت، اولاد کی چاہت، مال و دولت کے ذخیرہ اور زمین کی لامحدود ملکیت اور سواریوں کی زینت میں مبتلا ہو کر صرف ان ہی طرف لپک جاتے ہے۔ انسان دنیا میں گھر، محل اور وسیع مکانات کی تعمیر میں لگ جاتا ہے، لیکن آخرت کے گھر بنانے سے غافل رہتا ہے۔ دولت کے خرچ کرنے میں وہ دنیا کے عیش و آرام کو دیکھتا ہے، مگر آخرت میں ذخیرہ کرنے کے لئے غرباء، مساکین اور نادار لوگوں پر اس کی نظر نہیں جاتی وہ جہاد اور غلبہ دین کے لئے مالی وسائل خرچ کرنے میں بزدل اور کم ظرف ہو جاتا ہے یہی انسان کی کمزوری اور اس کی جہالت ہے۔ مگر وہ اسی بدبختی پر اتراتا بھی ہے۔

ہدایت اور گروہ بندی

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ (آل عمران: ۷۳)

”تم سب لوگوں کو بتا دو کہ! ہدیت تو فقط وہی ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔“

ایک ایسا گروہ جس کو ہدایت الٰہی سے نواز گیا ہو۔ اس گروہ میں پیغمبر اور منتخب صالح بندے آتے رہیں۔ ایک طویل عرصہ اس گروہ میں دینداری کا چلن ہو تو پھر ایسے گروہ میں یا اس کے جانشینوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ ”وہ گروہ اور حق“ دو چیزیں نہیں ایک ہی چیز ہے۔ یہ گروہ ہدایت کو گروہی مسئلہ سمجھتا

ہے اصولی نہیں۔ یہودیوں کا بھی یہی مسئلہ تھا وہ تاریخی روایات کے اثر کے تحت سمجھنے لگے کہ جو شخص ہمارے گروہ میں ہے، وہی ہدایت پر ہے اور جو شخص ہمارے گروہ سے باہر ہے وہ ہدایت سے محروم ہے۔ جو لوگ حق اور سچ کو اس طرح گروہی سمجھنے لگتے ہیں مگر ان کا دین گروہ بندی سے جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ خدا پرستی سے مربوط نہیں۔ ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ آجاتا ہے جو اپنے گروہ سے باہر فضیلت اور کمال ان کو دیکھنے میں ہی نہی آتا۔ وہ اپنے حلقہ سے باہر سچ کی کسی آواز کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ وہ کمر کس کر اس کی مخالفت میں اس طرح نکلتے ہیں جیسا کہ وہ کسی گمراہی کو مٹانے کے نکلے ہوئے ہیں بے بنیاد الزامات لگا کر حق کے لئے شبہات پیدا کرتے ہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی آمد پر یہودیوں نے ایسی گروہ بندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ہدایت کو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ کسی بھی گروہ کی زوال کی یہی علامتیں ہوتی ہیں کہ وہ دین کو گروہ بندی میں بند کر دے۔

کیا اب مسلم امت اس قسم کی گروہ مسائل ایجاد کر کے اپنی نئی نئی شناختیں قائم نہیں کر رکھی ہیں؟ یہ تقلیدی عمل قرآن مجید کی بنیادی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ واضح طور پر آگاہ کیا گیا ہے کہ ہدایت تو فقط وہی ہے جو اللہ سبحانہ کی طرف سے آئے ہوئی ہے۔ گروہ بندی کی عصبیت اور انانیت کے جذبات میں پھنس کر تم لوگ ہدایت پر کاربند نہیں ہو سکتے۔

عدل وانصاف کا دشمن

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُونَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ

(آل عمران:۲۱)

"وہ لوگ ظالمانہ طریقہ سے خدا کے پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو لوگوں میں حق وصداقت کی پرچار کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا معاشرہ قائم کرتے ہیں۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ عدل وانصاف کو پسند کرتا ہے اور انسان کائنات کا انصاف کے ساتھ چلا رہا ہے۔ آسمانی صحائف اور پیغمبر علیہم السلام انصاف کرنے کے لئے مبعوث ہوئے۔ دنیا کا نظام ایک وحدانی نظام ہے۔ اس کا مدبر اور چلانے والا فقط ایک ہے۔ کائنات کی ہر چیز اپنے توازن کے ساتھ قائم ہے اور اس پر عمل پیرا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پوری دنیا "اطاعت رب" کے طریقہ پر چل رہی ہے اور اس لئے ہی عدل پر بھی قائم ہے، جب ساری دنیا ایک نظام عدل پر مجتمع ہے تو بات کیسے برداشت کی جائیگی کہ انسانوں کے درمیاں ظلم، ناانصافی اور سرکشی کا چلن موجود ہو۔ انسان اگر سمجھتا ہے کہ یہ ناانصافی کا رویہ چلتا رہے گا تو یہ اس کی بھول ہے۔ ظلم اور ناانصافی کو ایک دن مٹنا ہے اور بالآخر مٹ جانا ہے حق وصداقت کی طرف دعورت دینے والوں کا راستہ کیسے بھی روک دیا جائے، ان کو مٹانے اور مارنے کی کیسی بھی سازش کی جائیں۔ ان پر ظلم ستم کے کتنے ہی پہاڑ گرائے جائیں۔ ان کو گھر سے بدر کرنے اور قتل کرنے کی کتنی ہی منصوبہ بندی کی جائے مگر ایسے لوگوں کو ناکام نہیں بنایا جاسکتا۔ ظلم کی ہلاکت اور ظالموں کا بُرا انجام مقدر ہے۔ بالآخر ان ظلموں کی ہلاکت اور بربادی یقینی

ہے۔ انصاف کے علمبرداروں کی فتح الازمی ہے۔ عدل وانصاف کو روکنے والوں کی آنکھوں اس وقت کھلی رہ جائینگی جب "مالك يوم الدين" عدل کا ترازو لے کر ظاہر ہو گا۔ اس وقت انسانوں کے ہر عمل کو حق کی بنیاد پر پرکھا جائے گا۔ حق وباطل سب کے سامنے نروار ہو جائیگا وہی دن "قیام عدل" کا دن ہو گا۔

خدا کا پہلا گھر

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آل عمران:۹۶)

"بلاشبہ پہلا گھر جو انسانوں کے لئے بنایا گیا(خداپرستی اور عبادت کا مرکز) وہ یہی عبادت گاہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے"

"پہلا گھر" اس سے مراد خانہ کعبہ ہے، جو بطور عبادت گاہ دنیا کی اولین عمارت ہے، اس گھر کو عالمگیر عبادت کی حثیت حاصل ہے۔ اس کے مقابلہ میں باقی تمام عبادت گاہیں مقامی اور قومی تھیں اور یہ کہ دنیا کے دوسرے تمام عبادت خانے، خواہ صنم کدے ہوں یا آتش کدے، گرجے ہوں یا کچھ اور سب بعد مین بنے ہیں اولیت کا سہرا صرف اسی عبادت خانہ کے سر ہے۔

خانہ کعبہ کو سب سے پہلی اسی مقام پر فرشتوں نے تعمیر کیا بعد ازں سیدنا آدمؑ نے اسی کی تعمیر کی اس کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے ان بنیادوں پر تعمیر کی۔ یہاں اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ اور زوجہ محترمہ سیدہ ہاہاجراں کو آباد کیا اور ان سے انسانی نسل آگے بڑھی قریش قوم کی بنیاد پڑی جس خاندان سے خاتم المرسلین سیدنا محمد ﷺ جلوہ گر ہوئے۔ بیت المقدس کی تعمیر حضرت اسحاقؑ کی جو کم از کم چالیس سال بعد کی بات ہے۔ اس لئے مسلم امت سیدنا ابراہیمؑ سے قریب تر نسبت رکھتی ہے اور اس پہلے گھر کی وارث بھی ہے۔ قوم یہود بیت المقدس کو اولین تعمیر اور سیدنا ابراہیمؑ سے اپنے آپ کو جوڑتے ہیں۔ یہ بات تاریخی حقائق سے خلاف ہے اس لئے قرآن مجید اس کی تردید کرتا ہے قرآن کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ (البقرہ: ۱۲۷)

"جب ابراہیم واسماعیل علیہما السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھارہے تو وہ وقت کتنا عظیم الشان اور انقلاب انگیز تھا۔"

اس گھر کو ظاہری اور باطنی برکتوں سے نوازا گیا ہے اور سارے جہاں والوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ بنایا گیا ہے، اسی عبادت گاہ کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت دی کہ اکناف عالم سے لوگ آئیں اور یہاں آکر خدا کی عبادت کریں اور اس گھر کا طواف کریں۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت سیدنا ابراہیم کی ایک سو سال عمر تھی جب کہ سدنا اسماعیلؑ کی عمر صرف تیس سال تھی (ابن سعد)

امت کی وحد

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا (آل عمران: ۱۰۳)

"اور تم سب مل جل کر اللہ کی رسی (اسلام، قرآن، صراط مستقیم) پر گامزن رہو اوراس کو مضبوطی سے پکڑلو۔ اسلام کے عمل کرنے میں آپس میں جداجدا نہ ہو(یعنی ایک دین میں کئی فرقے اور جماعتیں نہ بنائو) تمہیں وحدت کی جو نعمت عطا کی گئی ہے اس کو ہرگز نہ بھلاؤ۔ یہ بات یاد رکھو کہ دین سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور جداجدا گروہوں میں بٹے ہوئے تھے لیکن یہ خاص خدا کا فضل و کرم ہے کہ تم مسلمان بن کر آپس میں بھائی ،بن گئے ہو۔"

اس آیت کریمہ میں امت مسلمہ کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہوا کہ تم قرآن اوراسلام کوایک رسی کے مانند سمجھو۔ اس کا ایک سرا خدا کے پاس ہے دوسرا دنیامیں موجود ہے جو اس رسی کو پکڑ کر ترقی کے مدارج طئے کرے گا وہ بالآخر بارگاہ الٰہی تک پہنچ کر اس کا مقرب بندہ بن جائیگا فرمایا گیا کہ رسی کو پکڑنے کے لئے اجتماعیت اور وحدت ملی لازمی شرط ہے اور پہنچ کر اس کا مقرب بندہ بن جائیگا فرمایا گیا کہ رسی کو پکڑنے کے لئے اجتماعیت اور وحدت ملی لازمی شرط ہے اور "جمیعًا" کہہ کر سب کی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔ جس امت میں اجتماعی قوت پیدا ہو گی، تو وہ اگر پہلے مردہ قوم تھی تو اب وہ زندہ بن کر نئی زندگی حاصل کر سکے گی۔ اگر انتشار کا شکار بن کر قوموں اور فرقوں کی عصبیتوں میں مبتلا ہو گئی تو اس کی قوت زوال کا شکار ہو جائیگی اور دنیا میں اس کا وقار مجروح ہو جائیگا۔

اسلام سے قبل قوموں اور خاندانوں میں تقسیم شدہ انسانیت صرف ایک دوسرے کو شکست دینا اور ذلیل کرنا، مقصد زندگی تھا، مگر اسلام کے نظریہ حیات اور اجتماعیت نے اس امت کو فاتح عالم بنادیا، یہی خدا کا فضل و کرم اور اس کی خاص نعمت تھی جس کو برقرار رکھنا امت کے مفاد میں ہے۔ آج یہ امت مسلمہ زندگی کے ہر شعبہ میں انتشار کا شکار ہے۔ مسلم ممالک کفار کے مفادات پورے کر رہے ہیں مگر پس ماندہ مسلم ممالک کی خبر گیری اوران کے افلاس میں تعاون کرنا اور مسلمان بھائیوں کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنا ان کے لائحہ عمل میں نہیں ہے۔ پھر اسلام کے نظریہ کی حفاظت اوراسلام کو مخاطب سیاسی قوت بنانے کا ہدف تو ان کے پاس ہے ہی نہیں اسلام کے اجتماعی نظام اور برادرانِ ملت کی کفالت سے روگردانی کی وجہ سے یہ امت بتدریج غلامی کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔ اس کا نسخہ کیمیا قرآن مجید نے بتایاہے، کہ تم ایک امت بن کر اجتماعیت اور وحدت کے پرچم تلے قرآن وسنت پر گامزن رہو تو دنیا کی قیادت اور سیادت تمہارے ہاتھوں میں ہو گی۔

یہودیوں پر عتاب اوراس کے اسباب

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ (آل عمران: ۱۱۲)

"ان یہود پر ذلت کی مار پڑی جہاں کہیں بھی پائے گئے، ہاں یہ کہ خدا کے عہد سے یا انسانوں کے عہد سے، لیکن پناہ مل گئی ہو تو یہ بھی ذلت کی ہی پناہ ہوئی۔ خدا کا غضب ان پر چھا گیا۔ محتاج اور بد حالی میں گرفتار ہو گئے اور یہ اس لئے ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور نبیوں کے ناحق قتل میں بے باک تھے۔ یہ شقاوت اس لئے پیدا ہوئی کہ نافرمانی اور سرکشی کرنے لگے تھے ور اپنی شرارتوں میں حد سے گذر گئے تھے۔"

ایک دور وہ تھا کہ بنی اسرائیل دنیا کی قوموں کے امام تھے۔ ایک کے بعد دوسرا پیغمبر اس قوم میں آتا رہا۔ جہان والوں پر ان کو فضیلت عطا کی گئی۔ "انی فضلتکم علی العٰلمین" مگر اس بدبخت قوم نے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی قدر نہیں کی۔ خدا کے صالح ترین بندوں کو قتل کیا۔ ہدایت الٰہی کی توحین کی یہاں تک کہ مکافات عمل کا قانون حرکت میں آیا۔ اس قوم کی عظمت اور بلندی کو سرنگوں کیا گیا۔ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اس نافرمانی اور بدکردار قوم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلت مسلط کی گئی۔ جہاں بھی رہیں گے ذلیل وخوار ہو کر رہیں گے۔ اس آیت کا مصداق دیکھنا ہو تو تاریخ پر نظر ڈالیں کہ اٹلی، ہنگری، جرمنی اور زیکوسلاویکا میں اس قوم کا کیا حشر ہوا ہے البتہ اس عذاب الٰہی میں ایک استثناء ہے "حبل من اللہ وحبل من الناس" خدا کی طرف سے کوئی عہد نامہ یا انسانوں کے زیر سایہ سرپرستی۔ کوئی اسلامی ریاست ان کی ضمانت کا عہد دے یا کوئی قوم ان کی سرپرستی کرے اور یہ لوگ ان کے رحم و کرم پر ہوں۔ جیسا کہ حالیہ دور میں امریکا اور یورپین قومیں یہود کو تحفظ دے رہیں اور وہ ان کے سہارے جی رہے ہیں۔

امت مسلم کے لئے اس قوم کی تاریخ، ان پر عتاب الٰہی اور ان کی طرف سے پیدا کردہ اسباب کی بنا ذلت ومسکنہ کا مسلط ہونا، اس سب میں ایک درس عبرت ہے۔ غور وفکر کا مقام ہے۔ کسی بھی قوم کو آباء واجداد کی فضیلت کام نہیں آتی۔ بدعہدی اور بدکرداری کی سزا، آخرت کے علاوہ اس دنیا میں بھی مل سکتی ہے۔ امید، ہمارے اور توہمات کی دنیا میں رہنے والے لوگ بالآخر غلامی کے عذاب میں گرفتار کیے جاتے ہیں۔

اہل ایمان کی صفات

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۴)

"متقی انسانوں کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ خوش حال ہوں یا تنگ دست، لیکن وہ ہر حال میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ غصہ میں آکر بے قابو نہیں ہو جاتے اور لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں۔ ایسے نیک کردار لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست قرار دیتا ہے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی صفت بیان کر رہے ہیں کہ خوشحالی ہو یا تنگدستی، رنج ہو یا راحت، امیری ہو یا غریبی، ہر حال میں یہ لوگ محروم اور محتاج لوگوں پر اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ خوشحالی میں تو لوگوں کو خرچ کرنا دیکھا گیا ہے مگر مومنین صالحین کو تو کسی مجبور معذور انسان کی حالت دیکھی نہیں جا سکتی اس لئے تنگدستی اور کچھ ہونے کے باوجود بھی ایسی لوگ کہیں سے بھی وسائل مہیا کر کے سخا اور

عطاسے نوازتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی اور گھر والون کی کفالت پر بھی دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰٓ اَنْفُسِهِمْ اللہ تعالیٰ کو کسی بندہ مومن کا یہ رویہ بہت ہی محبوب ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا رہے وہ طبعًا اور مزاجًا سخی ہو۔

دوسری صفت یہ بیان کی گئی کہ بندہ مومن غصہ پر قابو پالیتا ہے۔ غصہ کا آنا فطری عمل ہے۔ یہ بات نہیں کہی گئی کہ ان کو غصہ آتا ہی نہیں بلکہ ارشاد ہوا کہ غصہ تو ان کو آتا ہے، مگر غصہ کو پی جاتے ہیں اسلئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طاقتور وہ شخص نہیں جو مد مقابل کو کشتی میں شکست دے، مگر اس کی طاقت اس امر میں کہ غصہ کے وقت غالب رہتی ہے۔ اور یہ زیادتی کو معاف کر دیتا ہے اور اس میں عفو اور درگذر کرنے کی صفت ہر وقت غالب رہتی ہے۔ اور یہ بات بھی بلند اخلاقی اور عظمت کی علامت ہے۔ اسلئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "بہترین وہ بدلہ لینا، معاف کرنا ہے۔" اجتماعی معاشرے میں ان اوصاف عالیہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سے معاشرہ پر امن پر سکون رہتا ہے۔

درس عبرت

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (آل عمران:۱۳۷)

"تم سے پہلے بھی دنیا میں قوموں کے عروج وزوال کے قوانین اور طریقے رہ چکے ہیں (اب تمہارے لئے وہ معطل نہیں ہوں گے) پس تم دنیا کی سیر وسیاحت کرو اور دیکھو کہ جو لوگ قوانین الٰہی کو جھٹلاتے تھے ان کا انجام کا ہوا؟ اور پاداش عمل میں کیسے نتائج پیش آئے۔"

اس آیت کریمہ میں امت مسلمہ کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ تم سے پہلے اس دنیا میں بہت سی قومیں آباد ہوئی ہیں اور فنا کے گھاٹ اتر چکی ہیں۔ ان پر بھی اللہ کا قانون واضح کر دیا گیا تھا، مگر انہوں نے انبیاء ومرسلین کی تکذیب کی ان کی فرمابنرداری سے انحراف کیا، تو دیکھو کہ ان کا کیسا برا انجام ہوا؟ دنیا میں چل پھر کر دیکھو۔ ان قوموں کے آثار اور علامتوں پر غور وفکر کرو، ان سب میں تمہارے لئے درس عبرت ہے کہ فطرت سے منہ موڑ نے والے انسانوں کو بربادی کے سوا کیا حاصل ہوا۔ جو لوگ "انا ولا غیری" یعنی میں ہی میں ہوں میرے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کے نعرے لگاتے تھے۔ ان کے پاس مال و دولت، عالیشان مکانات اور لشکر وسپاہ سب کچھ موجود تھا مگر ان چیزوں نے ان کو خدا کے عذاب سے نہیں بچایا۔

"سیروا۔ انظرو" اگرچہ امر کے صیغے ہیں۔ مگر یہاں سیر وسیاحت کی فرضیت بیان نہیں کی گئی ہے۔ مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو متوجہ کرتا ہے کہ تم دنیا میں سیاحت کرو اور مختلف مقامات کو ضرور دیکھو کہ مکذبین اور منحرفین کا کیا انجام ہوا؟

اس لئے آثار قدیمہ اور مقامات عبرت کا معائنہ اور مطالبہ لازمی طور پر کرنا چاہیئے۔ اور یہ معائنہ نظر کی تسکین کے لئے نہیں بلکہ درس عبرت اور اپنی زندگی کو راہ راست پر چلانے کے لئے ہونا چاہیئے۔ جو لوگ تاریخ کے آثار سے عبرت حاصل نہیں کرتے ان کو نامرادی اور بدبختی بالآخر ہلاکت کے گڑھوں میں پھینک

دیتی ہے۔

مسلمانوں کا غلبہ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۹)

"اور نہ تو ہمت ہارو نہ غمگین ہو جاؤ۔ یقینی طور پر تم ہی سب سے سربلند رہو گے بشرطیکہ تم سچے مومن بن جاؤ۔"

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو غلبہ عطا کرنے اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اعلون، اعلیٰ کا جمع ہے، مطلب یہ ہے کہ سربلندی اور غلبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا بس شرط یہ ہے کہ تم پکے اور سچے مومن بن جائو۔ مومن بن جانے کا کیا مطلب ہے؟ ایک چیز کی ظاہری صورت ہوتی ہے اور اندرونی کیفیت جدا ہوتی ہے۔ ظاہر میں مسلمان ہونا اور زبانی اقرار کرنا ایک حد تک اسلام میں شامل ہونا ہے مگر اسلام کے قوانین کی اطاعت، خدا کی عبادت، اپنے رہبر کی بات پر چلنے کا عہد اور استقامت اور ثابت قدمی، پھر اپنی جان اور مال کی فداکاری کا رویہ اپنانا دراصل یہی اوصاف، کامل ایمان کے ہیں۔ اگر تم ان اوصاف حسنہ سے مزین ہو تو پھر سمجھا جائے گا کہ تم ایمان اور اسلام سے مخلص ہو پھر خدا کی نصرت اور تائید بھی تمہارے ساتھ ہوگی۔ پھر یہ بات ناممکن ہے کہ ایسے صاحبان ایمان اگر دنیا میں موجود ہوں تو وہ کفار و مشرکین کے سامنے مغلوب ہو جائیں۔ ان کو غلامی اور ذلت کا سامنا ہو اور وہ دربدر ہوں اور دشمنوں سے ٹھوکریں کھاتے پھریں۔

آج اگر امت مسلمہ کی یہ صورتحال ہے کہ وہ کفار کے دستِ نگر ہیں، ان کی غلامی میں جی رہے ہیں تو لازمی بات ہے کہ ہم پکے اور سچے مومن نہیں رہے۔ خدا کے بجاء انسانون سے خوفزدہ ہیں۔ قرآن کی اطاعت نہیں انسانو کی اطاعت اور خوشنودی میں لگے ہوئے ہیں۔ سیاست، معیشت اور معاشرت میں قرآن کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے بلکہ کفار و مشرکین کی نقالی کرتے ہیں، خدا کے سوا ہم نے کئی جھوٹے معبود گھڑ لیئے ہیں۔ ہمارے کئی رب بنے ہوتے ہیں اور ہم ان کے سوالی ہیں اس صورتحال میں منافق مسلمانوں کو غلبہ حاصل نہیں ہوگا، بلکہ وہ غلامی اور ذلت کے اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔

رسالت کے فرائض

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(آل عمران: ۱۶۴)

"بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر بڑا ہی عظیم احسان ہے کہ اس نے ایک رسول ان میں بھیج دیا جو ان ہی میں سے ہے۔ وہ آیات الٰہی سناتا ہے۔ ہر قسم کی برائیوں سے پاک کرتا ہے اور ساتھ ہی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے وہ اس تعلیم اور دانائی کی باتوں سے بے خبر

تھے۔"

اس آیۃ کریمہ میں نبوت کی بعثت اور رسول کریم ﷺ کی تشریف آوری کو بطور احسان کے بتلایا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانوں میں جتلانے والا یہ احسان اعظیم الشان ہے کہ ایک ہادی برحق کو ہماری طرف مبعوث فرمایا۔ اس کے بعد رسول کے فرائض تبلیغ میں سب سے پہلے قرآن کی ہدایت پر مشتمل آیات سناتا ہے تاکہ انسان براہ راست قرآن مجید کی آیات سن کر اس پر تدبر و تفکر کریں۔ پھر قرآن کی تعلیم اور اس پر عملی کردار حکمت کی صورت میں پیش کرنا رسالت کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے۔ درحقیقت رسول اکرم ﷺ قرآن مجید کی تشریح ہے۔ اس کو ہی سنت رسول ﷺ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید واضح تعلیمات الٰہی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا عمل اس کی واضح تشریح ہے۔ یہ سنت عملی قرآن مجید کی طرح متواتر ہے اور ہدایت کا ماخذ ہے۔ رہی قولی حدیثیں تو وہ اکثر خبر واحد کے درجے کی ہیں ان کی صداقت کتاب اللہ و سنت عملی کے ذریعے سے جانی جائیگی جو ان دوماخذوں کے مطابق ہوگی وہ حدیث قبول ہوگی اور جو اس کے خلاف ہوگی وہ مشتبہ ہوجائیگی اور جو اس کے خلاف ہوگی وہ مشتبہ ہوجائیگی۔ اکثر طور پر انحراف اور گمراہی پہلی امتوں میں یا اس امت مسلمہ میں اس وجہ سے آئی کہ انسانوں نے ہدایت کے اصل سرچشمہ آسمانی کتابوں کو ماخذ ہدایت تسلیم نہیں کیا اس کے مقابلہ میں کمزور اور جعلی حدیثوں پر دین کی بنیاد رکھی اور پھر ان روایتوں پر فرقے، گروہ اور مسالک بنائے گئے اور ان کو دین الٰہی قرار دیا گیا اور "دعوت الی الاسلام" نہیں بلکہ دعوت الی الفرقہ والجماعت کا راستہ اپنایا گیا۔

آج بھی ہم اگر صراط مستقیم پر گامزن ہونا چاہتے ہیں تو کتاب الٰہی اور عملی سنت رسول ﷺ پر فکر و عمل کی بنیاد رکھیں تو دین کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسانی ہوجائے گا اور انحرافات سے محفوظ ہوجائیں گے۔

شہادت کا مرتبہ

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ
(آل عمران:۱۶۹)

"اے پیغمبر! وہ لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ مرگئے ہیں۔ نہیں، وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی روزی پارہے ہیں۔"

ایک مومن کے لئے، ایمان لانے کے بعد شہادت کا مرتبہ حاصل کرنا ایک عظیم سعادت ہے۔ اپنی جان کو اختیاری طور پر فقط رضا الٰہی کے لئے، ظلم و فساد کو مٹانے کی خاطر، اعداء اسلام سے لڑتے لڑاتے اللہ کے حوالے کرنا عظیم الشان نصب العین ہے، ایک جان تو ہمیں ملی ہے اس کو خدا کے سپرد کرنا، اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوسکتی ہے۔ انسان کو ویسے بھی موت سے چھٹکارا تو نہیں مل سکتا۔ مرنا تو ہر ایک کو لازمی ہے پھر اگر اس زندگی کو اختیاری طور پر خدا کے حضور پیش کرنا ہو تو گویا کہ اس شخص نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ پر اپنی زندگی قربان کردی۔

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے، کہ حق ادا نہ ہوا

قرآن مجید میں جہاد، قتال اور انفاق کو "فی سبیل اللہ" سے مربوط کیا گیا ہے، اس کی معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنی جان اور مال کو فقط رضاء الٰہی کے لئے، کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کی خاطر قتل کیا جائے یا دین کے دشمنوں سے لڑتے مارا جائے تو وہی شخص شہید کا مرتبہ حاصل کرتا ہے۔ اس لئے قومیت، وطنیت، عصبیت اور شخصی تنازعات کی وجہ سے جو شخص مارا جائے تو وہ شہید نہیں ہو سکتا، شہادت کے لئے فی سبیل اللہ کی شرط لازمی ہے۔

اصحاب رسولؐ، ایمان کے بعد جس عمل کی آرزو رکھتے تھے وہ شہادت کا عمل تھا۔ وہ بستر پر مرنے کو عیب سمجھتے تھے۔ ان مردان حق کی جہادی سرگرمیوں کے طفیل دنیا سے ظلم وفساد نسیت ونابود ہوا، طاغوتی قوتیں پائمال ہوئیں اور انسانوں کی گردنوں سے غلامی کی طوق ٹوٹ گئے۔ جب انسان غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے تو پھر وہ خالص خدا کا بندہ بن کر بارگاہ ایزدی کا مقرب بن جاتا ہے۔ اسلام میں جہاد جبری طور پر مسلمان بنانے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ طاغوتی حکمرانوں کے ظلم وفساد ختم کرنے اور انسانوں کو آزادی دینے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ تجویز کیا گیا ہے۔

دینداری کا لیبل لگانا

وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا (آل عمران: ۱۸۸)

"یہ لوگ چاہیئے کہ ان کے ان کاموں کی تعریف کی جائے جو انہوں نے کبھی نہیں کیے۔ (یعنی بے دینی کے بجائے ان کو دیندار سمجھا جائے۔)"

کسی پیغمبر یا کسی آسمان کتاب کو ماننے والا گروہ، جب زوال پذیر ہوتا ہے، تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ خدا ورسول کا نام لینا ہی چھوڑ دیں۔ یا خدا کی کتاب سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کردیں۔ ہوتا یہ ہے کہ وہ دین ان کی نسلی روایات کا حصہ بن جاتا ہے کہ اور اس دین کو وہ اپنا قومی اثاثہ قرار دیتے ہیں۔ جس چیز سے اس طرح کا نسلی اور قومی تعلق قائم ہو جائے تو اس سے علحدگی اس گروہ کے لئے ممکن نہیں ہوتی۔ مگر یہ تعلق فقط رسمی ہوتا ہے حقیقی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ اپنی دنوی سرگرمیاں بھی دین کے نام پر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ مکمل طور پر بے دین ہو کر بھی دیندار اردیانتدر کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ یہ چاہتے ہین کہ ان کو ایسے کاموں کا بھی کریڈٹ ملے جو انہوں نے نہیں کیے ہیں۔ یہ لوگ آخرت کے فکر سے آزاد ہو کر زندگی گذارتے ہیں مگر ساتھ ہی ایسے عقیدے اور رسم ورواج بھی گھڑ لیتے ہیں اور ان سے مربوط رہتے ہیں، جس سے ان کی آخرت بھی محفوظ بن جائے۔ وہ اپنی گھڑی ہوئی روایات پر چلتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے آپ کو دین کا علمبردار بھی کہتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ لوگ اس جعلی دینداری پر انکو "شیخ الاسلام اور حجۃ الاسلام" کے القاب سے یاد کریں۔ ایسے ہی لوگ کافرانہ اور منافقانہ سیاست میں شریک کار ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو خلافت اور شرعی امارات سے منسوب بھی کرتے ہیں۔ سودی کاروبار، سرمایہ دارانہ معیشت اور فرعونی حکومت بھی اپنے ملکوں میں رواج دیتے ہیں مگر

اپنے ملک کو "اسلامی ریاست، خداد مملکت اور اسلام کا قلعہ" بھی قرار دیتے ہیں۔ ایسے لوگ کفر اور بغاوت کا رویہ اپنا کر بھی مسلمان اور مومن ہونے کا لیبل بھی لگاتے ہیں یہی کچھ اس سے یہود و نصاریٰ کے خصائل تھے اور اب یہ امت مسلمہ بھی انکے حکمران بھی اور اس کا اشرافیہ طبقہ بھی اس روش پر گامزن ہے۔

سائنسی علوم

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

(آل عمران: ۱۹۰)

"بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے آنے جانے میں، ارباب دانش کے لئے معرفت حق کی بڑی ہی نشانیاہیں۔"

اس آیت کریمہ میں فکر عمل کی دانش دی گئی ہے۔ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے دنیا کی اکثریت خدا کی مخلوق کی عبادت میں گرفتار تھی۔ خدا تعالیٰ نے جو مظاہر قدرت تخلیق کیے ہیں، ان کو لوگ پوجتے تھے ور مظاہر پرفریقہ تھے۔ کوئی سورج چاند اور ستاروں کے پوجنے والا تھا کوئی زمین کی چیزوں کو معبود بناتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ زمین اور آسمان تو مخلوق ہیں۔ یہ تو بعد میں پیدا کیے گئے ہیں۔ کیا مخلوق کی عبادت کرنا دانشمندی ہے یا مخلوق کے خالق کی عبادت کی جائے۔ پھر فرمایاگا کہ یہ چیزیں تو خالق کے وجود کی شہادت دے رہی ہیں ان میں توغور وفکر کابڑا سامان موجود ہے۔ یہ چیزیں تمہارے لئے تابع کی گئی ہیں کہ تم انکی آیات سے مستفید ہوسکو۔ قرآن مجید نے انسانوں کو دعوت دی ہے کہ عقل و شعور کو بیدار کرو اور کائنات کو مسخر کرنے کی کوشش کرو۔ اس میں تمہارے لئے قوت اور معرفت کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ انکو ظاکرو اور انسانیت کو نفعہ آوری کا سامان مہیا کرو۔

آج جب کہ انسانی عقل ترقی کررہا ہے اور مخفی خزانوں کی منکشف کررہا ہے تو آسمان اور زمین کے عجائبات سامنے آرہے ہیں۔ بے شمار اسرار و رموز پیہم سامنے آچکے ہیں۔ زمین پر غور و فکر کے لئے فزیالاجی، آرکیالاجی، میٹرالاجی، جغرافیہ اور دیگر شعبے وجود میں آچکے ہیں، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سائنسی علوم کی طرف انسان کو متوجہ کررہاہے تاکہ انسان اس میں کامل دسترس کرے اور آیات الٰہی کی تصدیق کرتا رہے اور پکار اٹھے کہ: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا "میرے پروردگار کائنات کی کوئی چیز حکمت سے خالی نہیں ہے۔ افسوس اس بات پر ہے کہ مغربی دنیا تحقیق اور ریسرچ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔ کائنات کو مسخر کررہی ہے اور انسانیت کو نعمتیں دے رہی ہے مگر حاصل قرآن یہ امت ابھی تک فروعی مسائل میں جھگڑے کرکے، فرقے اور گروہ بناکر، مسلکوں اور تعبیروں ہی الجھ کر اپنے آپکو بلند مقامات سے نیچے گرارہی ہے۔ کاش کہ یہ امت قرآن مجید پرغور وفکر کرکے دنیا کی قیادت کرنے کی اھلیت اور صلاحیت پیدا کرے۔"

اصولِ کامرانی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
(آل عمران: ۲۰۰)

"مسلمانو! (اگر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ) صبر کرو۔ ایک دوسرے کو صبر کرنے کی تلقین کرو۔ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے رہو۔ ہر حال میں خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ ان چیزوں سے تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

اسلام ایک نظریہ ہے۔ سب سے پہلے اپنے آپ کو اس نظریہ پر کاربندر کھنا ہے۔ اس راہ میں بھی بے شمار رکاوٹیں آئیں گی۔ لیکن ہر حال میں ثابت قوم ہونا ہوگا۔ پھر اس نظریہ کو دنیائے انسانیت تک پہنچانا ہے۔ پوری دنیا میں طاغوتی نظاموں کو مٹا کر عدلِ اجتماعی پر دنیا کو قائم رکھنا ہے۔ اس مرحلہ پر بھی بے شمار مصائب پیش آئیں گے ان میں بھی مومن کو استقامت دکھانی ہے۔ اس راہ حق میں جو ساتھی آپ کے ساتھ مل کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان میں کچھ کمزور بھی ہوں گے اور کچھ شکستہ دل بھی ہو جائیں گے مگر ان کو بھی ثابت قدمی کی تلقین کرنا ہے۔ کسی کو بھی چھوڑنا یا ضائع کرنا نہیں بلکہ سب کو ساتھ ملا کر چلنا ہے، پھر آپس میں نظم و نسق قائم کرنا ہے۔ ہر وقت ہر ساتھی دوسرے ساتھی سے مربوط اور جڑا رہے۔ "رابطو" سے اشارہ اس طرف ہے کہ "حزب اللہ" کے ساتھی کبھی بھی تفرقے اور انتشار میں مبتلا نہ ہوں اور نہ ان میں سے قوت اور طاقت نکل جائیگی اور منتشر جماعت کبھی بھی کوئی بڑا کام سرانجام نہیں دے سکتی۔ ان تمام امور کی سرانجامی کے لئے فرمایا گیا کہ "اتقوااللہ" خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے تمام کاموں سے اجتناب کرو۔ احکام الٰہی کی اطاعت میں ہی نصرت اور تائید ربانی مل سکتی ہے۔ یہ بنیادی اصول کامیابی اور کامرانی کے لئے لازمی ہیں۔ ان کے بغیر کامرانی کا حصول ممکن ہیں نہیں۔

انسان کی پیدائش

الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء:۱)

"اے افراد انسانی! اپنے پروردگار کی نافرمانی سے بچو۔ اس رب العٰلمین نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا۔ پھر ان دنوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی۔"

نسل انسانی کا مورث اعلیٰ ایک ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام بعد میں سیدہ حوا کو پیدا کیا گیا، پھر ان دونوں کی نسل سے خاندانوں، قبیلوں اور قوموں کی شکل اختیار کرلی۔ پھر رشتو اور قربتوں کا بڑا دائرہ وجود میں آگیا۔

تمام انسان پیدائش میں ایک جیسے ہیں۔ سب انسانوں کا باپ اور ماں بالآخر ایک ہی ہے جب سب انسانوں کا ایک ہی باپ اور ماں ہے تو آپس میں غیریت اور دشمنی کیوں؟ ہر ایک دوسرے کو اپنا سمجھنا چاہیئے غیر نہیں۔ انسانون کو آپس میں نفرت۔ عداوت، دشمنی اور انتقامی جذبات کیوں ہیں؟ اور کس لئے

ہیں؟ یہ بات تو فطرت کے خلاف تصور کی جائیگی کہ دونوں اغراض اور مفادات کی خاطر ایک انسان دوسرے انسان سے لڑنا شروع کردے پھر پوری عمر لڑتا ہی رہے۔ پھر صدیوں تک یہ لڑائیاں جاری رکھتے۔ گویا کہ انسان اس دنیا میں آیا ہی اس لئے ہے کہ وہ ذاتی مفادات کی خاطر پورعمر لڑتا ہی رہے۔ اس کے سامنے تعمیر انسانیت، اخلاقی قدریں اور انسانون کی نفع آوری کبھی پیش نظر ہی نہ ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ جب تم ایک ہی ماں باپ سے پیدا کیے گئے ہو تو پھر اخوت کے جذبات کو پروان چڑہائو۔ ہمدردی خیر خواہی، ایثار و قربانی تمہارے اوصاف ہونے چاہیں۔ اس طرح ہی تم انسان سمجھے جائو گے۔ ورنہ تمہیں انسانیت کے دائرے سے خارج ہونا پڑے گا۔

یتیموں کے حقوق

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (النساء:۲)

"اور دیکھو! یتیموں کا مال دیانتداری کے ساتھ ان کے حوالے کردو۔ ایسانہ کرو کہ ان کی اچھی چیز کو اپنی ناکارہ چیز سے بدل ڈالو۔ اوران کا مال اپنے مال کے ساتھ ملاجلا کر خورد برد کرلو یقیناً ایسا کرنا بڑے گناہ کی بات ہے۔"

چھوٹے بچوں کے معاملے میں سب سے پہلے یتیم آتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ بے سمجھ ہیں ان کا مال ان کے حوالے نہ کرو۔ بلکہ ان کے مال کی بہترین حفاظت کرو۔ ضائع ہونے سے بچائو جب تک کہ ان بچوں کو نفع نقصان کی تمیز نہ آجائے۔ اس کے ساتھ ان کو تسلی بھی دو کہ یہ سارامال تمہاراہی ہے۔ ہم تواس کی حفاظت کررہے ہیں جب تم سمجھدار ہوجائوگے تو یہ مال تمہارے حوالے کریں گے۔

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے زندگی کے ہر شعبہ میں انتشار اور فساد موجود تھا۔ لوگ ظلم وعدوان کے عادی ہوچکے تھے۔ یتیموں کے مال پر قبضہ کرنا اوران کو اپنے لئے استعمال کرنا کوئی عیب ہی نہیں تھا رسالت مآب ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جہاں سب انسانوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی وہاں یتیموں کے متعلق بھی واضح حکم دیا گیا۔ یتیموں کو یہ بہت بڑا اعزاز بخشا ہوا ہے کہ ان کی نسبت پیغمبر اسلام ﷺ سے قائم ہے کہ وہ آقائے دوجہاں بھی یتیم ہی تھے۔ پیدا ہونے سے پہلے ہی والد محترم کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ چند سالوں کے بعد والدہ محترمہ بھی خدا کو پیاری ہوگئیں۔ اٹھ سال کی عمر میں داد عبد المطلب بھی داغ مفارقت دے گئے۔ اس طرح "بے سایہ کردیا اس سایہ دار کو"

اس طرح یتیموں کے حقوق کے علمبردار اوران پر وسعت شفقت رکھنے والا پیغمبر ﷺ ان کے بہت بڑے سہارا ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیم ہے کہ یتیم کے مال کی پوری پوری حفاظت کرو۔ اگر تم مالدار ہو تو بلا کسی اجرت کے ان کے مال کی نگرانی کرو اور غریب اور بے کس ہو تو صرف کھانے کی حد تک اس مال میں سے خرچ کرو۔ جب یتیم سمجھدار ہوجائیں تو بلا کسی لیت و لعل کے پورا مال ان کے سپرد کرو۔

ارشاد ہوا کہ یتیم کے مال کو ہڑپ کرنے والا ایسا ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔ اور فرمایا کہ یتیم کے سر پر شفقت اور محبت سے ہاتھ پھیرنے والے کو اتنا اجر ملے گا کہ ان کے ہاتھ کے نیچے سر کے جتنے بال آئیں گے اتنی نیکیاں ان کے اعمال نامے میں شمار کی جائیں گی۔

ہر کام میں بھلائی مقدر

فَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَیۡـًٔا وَّیَجۡعَلَ اللّٰهُ فِیۡهِ خَیۡرًا کَثِیۡرًا (النساء: ۱۹)

”عجب نہیں کہ تم ایک بات ناپسند کرتے ہو اور اسی میں اللہ نے تمہارے لئے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو۔“

اللہ تعالیٰ انسان کو آگاہ فرماتا ہے کہ ہر کام کی تخلیق میں انسان نفع اور بھلائی کی توقع رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ کام ظاہری طور پر ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی بھی واقعہ معمولی ہو یا بڑا، اس کے سبب انسان اپنے آپ کو تشویش میں مبتلا کر کے، ذہنی اور جسمانی اذیت میں ڈال کر، اپنی زندگی کو نارمل اور اعتماد کے ساتھ کر سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر کام میں خدائی حکمت تلاش کر کے سکون، اپنے لئے مفید بنانے سے طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے پھر ہر واقعہ مومن کے لئے کسی نہ کسی بھلائی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ اصول بنانا چاہیئے کہ جو بات بھی سامنے آ رہی ہے اس میں میرے لئے کوئی نہ کوئی بھلائی مقدر ہو گی۔

کھانا تیار کر رہا تھا اور جل گیا، سمجھ لے کہ اس میں کوئی نقصان ہوتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا کوئی جوان ٹیسٹ دینے گیا مگر ناکام ہوا، ان کو سمجھنا چاہیے کہ ہر ایک نہیں جان سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا چاہیئے۔ یہ کہنا کہ یوں کہتا، یوں کرتا اور اس طرح نہ کرتا، یہ سب کچھ خدا پر اعتماد کی کمی کی علامت ہے۔ بھلائی کی نیت سے آگے بڑھو اللہ تعالیٰ بھلائیاں تمہارے لئے مقدر بنائے گا۔

کبائر سے گریز پر جنت کا واعدہ

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَنُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا (النساء: ۳۱)

”اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے واضح طور پر تمہیں روکا گیا ہے، تو پھر ہم دوسرے گناہ معاف کر دیں گے اور اس کے ساتھ تمہیں بہت بلند اور عزت والی جگہ بہشت میں بھی داخل کریں گے۔“

بڑے گناہ وہ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں تفریح کے ساتھ روکا گیا ہے یا جس کے متعلق ”حرام علیکم“ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یا جن گناہوں پر جہنم اور عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ایسے گناہوں سے وسعت کے مطابق اگر تم رک گئے تو اس کے بدلے ہم تمہارے دیگر چھوٹے موٹے گناہ اور لغزشیں معاف کر دیں گے۔ اور جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ رہے بڑے گناہ تو اس کے لئے بھی

توبہ کا دروازہ موت سے پہلے تک کھلا رکھا ہے۔ نادم اور پچھتاوے کے ساتھ معافی مانگ لی جائے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا عہد کیا جائے تو وہ بھی گناہ معاف کر دیتے ہیں (اللہ تعالیٰ کی شفقت اور فضل و کرم کا کیا کہنا) فرمایا گیا کہ: التائب من الذنب کمن لا ذنب له "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو گیا جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا۔"

گناہ ہو جائے تو فوری طور پر نادم ہو کر، آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوتے بارگاہ ایزدی میں انسان پہنچ جائے اور بد عملی کو استغفار سے مٹانے کے لئے سجدہ ریز ہو، تو یہ "کفار ذنوب" ہے اور پھر رحمت ایزدی ایسے بندے کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیتی ہے۔ اور ایسے بندہ سے صالحین کا رویہ اپنایا جاتا ہے۔ الھم اجعلنا من الصالحین۔

اخلاقی امراض

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۣ﴿۳۶﴾ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَیَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَیَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّهِیۡنًا

(النساء: ۳۶ تا ۳۷)

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے، ڈینگیں مارنے والے ہیں۔ جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں۔ اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے خرچ کرنے کی جگہ چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ یاد رکھو! ان لوگوں کے لئے جو ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس انسانی کی اخلاقی کمزوریوں کا ذکر فرمایا ہے، جو حقوق العباد کو ادئیگی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ایسے انسانوں کا پہلا عیب یہ ہے کہ وہ ضدی، انانیت پسند اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہر وقت اپنی ذات کے گھمنڈ میں مست رہتے ہیں۔

دوسرا عیب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہیں، دوسروں پر نگاہ کرنے میں اپنی شان کی کمی گردانتے ہیں۔ بات بات میں فخر اور کبر کا مظاہرہ کرتے ہیں (یعنی میں ہی ہوں میرے جیسا کون؟) تیرا عیب ان میں یہ ہوتا ہے کہ یہ پہلے درجہ کا بخیل ہوتے ہیں اور پھر بخیل بننے پر دوسروں کو بھی اکساتے ہیں اور لوگوں کو ایسے طریقے سمجھاتے ہیں کہ مال و دولت کسی مستحق تک پہنچ ہی نہ سکے۔ ایک انسان کو اپنے والدین۔ رشتہ داروں اور دیگر بڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنا پڑتا ہے مگر یہ ذاتی انا کے غلام دولت کے ایسے پجاری بن جاتے ہیں کہ ہمدردی، ایثار اور قربانی کے جذبات ان میں ہوتے ہی نہیں جیسا کہ انہوں نے اپنی فطرت کو مسخ کر رکھا ہے۔ پھر یہ بھی ان کی ہوس پرستی ہوتی ہے کہ اپنے مال و دولت کو چھپاتے رہتے ہیں۔ کسی کو خبر تک نہ ہو کہ ان کے پاس کوئی دولت ہے! جب بھی زبان کھولیں گے تو شکر کے الفاظ نہیں ادا کریں گے بلکہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

ایسے بد باطن، فخر و غرور میں مبتلا، کمینہ صفت لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اہانت آمیز عذاب تیار

کر رکھا ہے۔ اوران کی نیکیاں بھی فیصلہ کے دن غارت ہو جائیں گی۔

قیامت کے دن گواہی

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء:۴۱)

"اے پیغمبر! پھر کیا حال ہو گا اس قیامت کے دن، جب ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ طلب کریں گے اور ہم تجھے بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے طلب کریں گے۔"

ارشاد الٰہی ہے کہ قیامت کے دن ہر امت پر گواہی دینے کے لئے اس پیغمبر کو طلب کیا جائیگا جو ان میں مبعوث ہوا تھا تا کہ وہ یہ گواہی دے کہ میں نے توحید اور یوم آخرت کے متعلق خدا کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا یا تھا اور لوگوں نے جو سلوک اور رویہ پیغمبر کے ساتھ کیا تھا اس کی بھی وہ شہات دیں گے۔

پھر ان گواہیوں کی تصدیق اور تائید خاتم الرسل ﷺ بھی کریں گے کیونکہ یہ سب سے آخر میں آکر ان امتوں تک یہ پیغام پہنچایا تھا۔ اس آیت کی یہ بھی تعبیر ہے کہ اسے پیغمبر اسلام ﷺ تجھے بھی اپنی امت پر گواہ بنا کر پیش کریں گے۔ آپ کی یہ گواہی ہو گی کہ دنیا میں جب تک زندہ رہا تو یہ پیغام توحید لوگوں تک پہنچایا اور جن لوگوں نے انکار اور تکذیب کی ان پر بھی گواہی دیں گے پھر قیامت تک آپ کی جماعت، امت جابت اور مصلحین نے یہ پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچایا اس کی بھی گواہی اور شہادت دیں گے۔ اور یہ بھی شہادت ہو گی کہ جن لوگوں نے اس ذمہ داری اور فریضہ رسالت پہنچانے میں غفلت اور کوتاہی کی اور خیر امت کا حق ادا نہ کیا تو ان کے خلاف شہادت ہو گی۔ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا "اے میرے رب اس گروہ نے اس قرآن مجید کو چھوڑ دیا تھا۔ زندگی گذارنے کے لئے خواہشات نفس اور شیطان کی اتباع کی تھی اور راہ راست سے ہٹ گئے تھے۔"

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کو جب حضور اکرم ﷺ تلاوت کرتے تھے تو احساس ذمہ داری کے تحت آپ کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو جاتے تھے۔

حسد کی وجہ سے کفر کا ارتکاب

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (النساء: ۵۴)

"ان کو اس بات پر حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو جو نعمت عطا کی ہے (جو نعمت ان سے چھین لی گئی ہے، یہ چاہتے ہیں کہ یہ کسی اور کو بھی نہ ملے)"

یہودیوں کو اس بات پر غصہ تھا اور حسد میں جلتے تھے کہ نبوت اور رسالت ان کے خاندان سے نکل کر بنو اسماعیل کے خاندان میں کیوں چلی گئی۔ رسالت اور نبوت پر تو اسرائیل کے خاندان کا حق تھا ایک طویل عرصہ تک جو پیغمبر تشریف لائے وہ سب کے سب حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ اب اسماعیلؑ کی اولاد میں سے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبین کیونکر قرار دیا گیا۔ اس نسلی حسد میں جل

کر انہوں کے کفر کا ارتکاب کیا حالانکہ وہ اپنی کتابوں میں پڑھتے تھے کہ جو علامتیں اور آثار نبوت کے ہیں وہ سب کے سب حضور کریم ﷺ میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن مجید تصدیق کرتا ہے کہ: یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ "آخری پیغمبر ﷺ کو اس طرح پہنچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہنچانتے ہیں" مگر حسد ایک ایسی بری بیماری ہے کہ انسان اس میں عقل و شعور گم کر دیتا ہے اور پھر وہ حق کی طرف، سوچتے سمجھتے بھی نہیں آتا اور نہ ہی قبول کرتا ہے۔

آسمانی کتب کی حامل کسی قوم میں جب زوال آتا ہے تو وہ حق کو استدلال کی بنا پر قبول کرنے میں مانع ہوتا ہے۔ وہ نسلی، تاریخی اور روایتی سہاروں کی مدد لیتے ہیں اور اپنے آپ کو ان بیہودہ باتوں کی وجہ سے بڑا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ وہ شیطان اور خواہشات نفس کا اتباع کرتے ہیں مگر اپنے اوپر دینداری کا لیبل بھی ضرور لگاتے ہیں اور پھر دین کو حب مال کی خاطر فروخت کرتے ہیں یا لوگوں سے چھپا لیتے ہیں۔ گذشتہ اہل کتاب بھی اس مرض میں مبتلا ہو کر لعنت کے مستحق ہو گئے۔ اب موجودہ امت مسلمہ کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی کتاب الٰہی کے ساتھ اس طرح کا مذاق نہ کریں بلکہ اس کی روح کے مطابق اپنے آپکو ڈھالیں اور اس شمع ہدایت کے ذریعہ پوری انسانیت کو منوّر کریں تا کہ اخروی نجات یقینی ہو جائے۔

خدا کی مرضی کے تحت پیغمبر کی اطاعت

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ (النساء: ۶۴)

"ہم نے جس کو منصب رسالت دے کر اس دنیا میں مبعوث تو اس لیے کیا ہمارے حکم اور مرضی کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔"

دنیا میں کوئی بھی رسول اس لئے نہیں بھیجا جاتا کہ لوگ صرف ان کے عقیدت مند بن جائیں اور شب و روز اس کی مدح سرائی کرتے رہیں بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان سے زندگی گذارنے کا راستہ معلوم کریں اور عملی طور اس طریقے پر چلیں جو طریقے پر خدا کا پیغمبر زندگی گذار رہا ہے۔ کوئی بھی شرعی حکم رسول ﷺ کی طرف سے آئے تو اس کی بلا چوں وچرا مکمل اطاعت کریں۔ کسی نازک صورتحال میں کوئی حکم ایسا بھی آجائے کہ ان کی طبیعت کے موافق نہ ہو یا اس حکم اور فیصلے کے بعد ان کو ذاتی طور پر کچھ نقصان کا اندیشہ ہو تب بھی اس حکم کو سر تسلیم خم کر کے قبول کریں بلکہ دل میں یہ تصور بھی نہ کریں کہ اس حکم کے ذریعہ میرے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہے۔ ایسے حکم کو وہ کامل یکسوئی کے ساتھ قبول کریں۔ یہی ایمان بالرسالت کا تقاضا ہے۔

در حقیقت رسول خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ انسانوں تک احکام الٰہی پہنچانے میں وہ خدا کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ: مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ "جس نے رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت کی اس نے گویا کہ خدا کی اطاعت کی۔" پیغمبر اسلام ﷺ کی اطاعت کرنے والا اور پوری زندگی شریعت پر چلنے والا ہی دراصل مومن ہے۔ اس کے مقابلہ میں رسول اکرم ﷺ کے حکم کو ٹھکرانے والا اور نفس کی خواہشات کا پیروکار رسول ﷺ کا منکر ہے۔ چاہے ظاہری طور پر کتنی ہی رسومات کو ادا کرے

اور زبان سے مدح سرائی کے کتنے ہی مظاہرے کرے۔

انعام یافتہ لوگ

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰۤـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۤـئِكَ رَفِيۡقًا (النساء: ۶۹)

"اور جس کسی شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہو گیا جن پر خدا نے انعام کیا ہے اور وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور تمام نیک اور راست باز انسان ہیں جس کے ساتھی ایسے ہوں تو ایسے ساتھی کیسے ہی اچھے ساتھی ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے، جو بار بار کی جاتی ہے اور عبادت میں اس دعا کو تسلسل کے ساتھ دہرایا جاتا ہے کہ وہ دعا ہے: اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ "یا اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلایئے۔" پھر سیدھی راہ کی نشاندہی کی گئی کہ وہ راہ وہی ہے، جس پر انعام یافتہ لوگ چلتے رہیں۔ اب اس آیت کریمہ میں ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے وہ لوگ ہیں، نبی، صدیق، شہید اور صالحین۔

نبی وہ عظیم الشان شخصیت ہے جس پر براہ راست وحی الٰہی نازل ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے براہ راست ہدایت کا نزول، صدیق وہ شخصیت ہے جو بلا دلیل، بلا توقف، نبی پر نازل شدہ ہدایت کو تسلیم کر لے اور اس پر چل پڑے۔ گویا وحی اتری تو نبی پر مگر اس کا عکس پڑا صدیق کے قلب پر، شہید وہ فداکار مومن ہے جو ہدایت کو مان کر اس پر اپنی جان قربان کر دے۔ مرد صالح وہ شخصیت ہے، جو صالح فطرت کے مالک ہوں اور اللہ اور رسول کی اطاعت میں ہر وقت سرگرم ہوں اور اپنے آپ کو ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھتے ہوں فرمایا گیا کہ اطاعت گذار بندے ایسے انعام یافتہ لوگوں کی رفاقت میں ہوں گے۔ یہ لوگ ان مقامات پر توفائز نہیں ہوں گے مگر ان کو رفاقت ایسے لوگوں کو ضرور نصیب ہو گی۔ یہ بھی خدا کا خاص فضل و کرم اور سعادت عظمیٰ ہے کہ مومنین کو ایسے عظیم شخصیتوں کی رفاقت کی نسبت دی جارہی ہے۔ اہل ایمان کو جنت تو نصیب ہو گی مگر برگزیدہ شخصیتوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور مجلس کرنے کے لطف سے بھی نواز جائے گا۔

شیطان کا حملہ

اِنَّ كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ كَانَ ضَعِيۡفًا (النساء: ۷۶)

"شیطان کا مکر و فریب، دیکھنے میں کتنا ہی مضبوط دکھائی دے مگر ہے کمزور اور بے بنیاد"

شیطان انسان کا پیدائشی دشمن ہے اس نے خدا سے عہد کیا تھا کہ وہ انسان کو گمراہ کرتا رہے گا۔ ایسی

چالیں، منصوبے اور پروگرام بناتا رہے گا جن کے ذریعہ انسان کو سیدھی راہ سے ہٹا کر خدا کی نافرمانی کی راہ پر لے جائے۔ قرآن مجید نے آگاہ کیا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو اپنا بنیادی دشمن ہی سمجھو: فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس راز کو بھی منکشف فرمایا کہ شیطان تم پر جبر کے ساتھ غلبہ حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ فقط وسوسوں، خیالات اور جھوٹے واعدوں کے ذریعے پھسلانے کی کوشش کرتا ہے، دنیا کے حسن وجمال ،اس کی آرائش وزیبائش کی طرف مائل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تباہی اور بربادی کی طرف دھکیلنے کی آروز کرتا ہے اور قوت ارادی پر حملہ کرکے اس کو کمزور کرنے کی سعی کو حاصل کرنا ہے، مگر حقیقی غلبہ اس کو حاصل نہیں ہے، ایک ایمان میں مضبوط اور قوت ارادی رکھنے والا شخص جلد ہی سمجھ لیتا ہے کہ اب مجھ پر شیطان حملہ کرنے والا ہے۔ میں اس کے حملہ کو ناکام بنانے کے لئے قوت ارادی کو کام میں لائوں تو پھر اس کا حملہ ناکام ہوجاتا ہے۔

عام طور پر غصہ کی حالت میں یا کسی ذاتی مفاد کے حصول کے وقت شیطان حملہ کرتا ہے اور انسان کو حق سے منحرف کرنے کی لالچ دیتا ہے ایسے نازک لمحوں پر انسان عقل وشعور سے کام لے کر شیطان کو ناکام کرسکتا ہے۔

شیطان کی ترجیح میں توحید کے خلاف شرک وبدعت میں پھنسانا اور دو انسانوں کو معمولی باتوں پر لڑانا مقدم امور ہیں۔ مشرکانہ اور فسادی معاشرہ قائم کرنا شیطان کی مسرتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ جب کہ توحید پر مبنی، عدل اور امن عالم کا معاشرہ خدا تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

قرآن میں غور وفکر کرنا

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا
(النساء: ۸۲)

”پھر یہ لوگ قرآن کے مطالب میں غور فکر نہیں کرتے (خدا کی عطا کردہ سمجھ سے کام نہیں لیتے) اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ یہ اس کی بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے۔ (حالانکہ وہ اپنی ساری باتوں میں اول تا آخر کامل طور پر ہم آہنگ اور یکساں ہے)۔“

قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت اور اس کے بعد بھی رسالت کے منکر اس شبہ میں مبتلا تھے، یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے۔ بلکہ محمد رسول ﷺ کی تصنیف ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان شکوک کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان کوئی بھی بات کرتا ہے اس میں توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ بات کا کچھ حصہ فصیح اور بلیغ ہوتاہ اور کوئی حصہ کمزور۔ جب طبعیت میں غصہ ہوتا ہے تو الفاظ میں بے احتیاطی ٹپکتی ہے۔ ذہنی بلوغت کے بعد کئی سالوں کی تحریر میں فرق واقع ہوجاتا ہے۔ مگر اللہ کا کلام ان تمام عیوب سے پاک ہے۔ لفظی معنوں، علمی، ادبی کسی پہلو سے بھی اس میں فرق نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کلام انسان کا ہوتا تو ۲۳ برس نازل ہونے کے عرصہ میں اس میں بہت کچھ فرق واقع

ہو جاتا۔ مگر اس کلام الٰہی میں غور وفکر کریں اور پر پہلو سے اس کو دیکھیں۔ فصاحت وبلاغت سے لے کر مضامین، معانی میں کہیں بھی آپ کو کوئی کمی نظر نہیں آئیگی۔ یہ ایک دلیل ہی کافی ہے اس بات کے لئے یہ کلام انسانی نہیں بلکہ الٰہی کلام ہے۔

غور وفکر کا مطالبہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس سے آپ کو ایمان بالقرآن کی مستحکم دلیل مل جائیگی پھر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ آپ اس پر کامل غور وفکر اور تدبر کرتے رہیں۔ کیونکہ قرآن مجید صرف تلاوت کرنے۔ بوسہ دینے اور ریشمی کپڑوں میں رکھنے کے لئے نہیں آیا بلکہ عالم انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر روشنیوں میں لانے کے لئے اس کا نزول ہوا ہے۔

اچھی اور بری سفارش

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا

(النساء:۸۵)

”جو انسان دوسرے انسان کے ساتھ نیکی کے کام میں معاون اور مددگار ہوتا ہے، تو اسے اس کام کے اجر ونتائج میں حصہ ملے گا۔ اور کوئی برائی میں دوسرے کا سفارشی اور مددگار بنتا ہے۔ تو اس کے لئے بھی اس برائی میں حصہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا محافظ اور نگران ہے وہ ہر عمل کے مطابق اس کا یہ بدلہ دیتا ہے۔“

سفارش معاشرہ میں بڑی اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ اکثر لوگ اس کی حدود وقیود سے بے خبر ہوتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ جس حد تک کسی اچھے اور نیک کام کی سفارش کا تعلق ہے تو یہ ایک اعلیٰ کی بھلائی ہے۔ جو انسان کسی چیز کا درست حقدار ہے تو اس کو حق دلانا اور اس کے متعلق سفارش کرنا خدا اور رسول کے نزدیک بہترین سفارش تصور کی جائیں گی اسی طرح کسی مسلمان کے لئے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرنا یا کلمہ خیر کہنا بھی اچھی سفارش میں داخل ہے۔ حضور کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی مسلمان جب دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں اس کے غیاب میں دعا کرتے ہے تو اللہ کے فرشتے اس پر آمین کہتے رہتے ہیں۔ مگر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ سفارش کرنے پر کوئی معاوضہ لینا قطعی حرام ہے۔ یہ فقط رضاء الٰہی کے لئے ہونی چاہیئے۔ مزید فرمایا گیا کہ جو شخص کسی برے کام کی شفارش کرے گا یہ کسی کا حق مار کر دوسرے کو دینے کے لئے سفارش کرے گا تو اس کے حق میں گناہ لکھا جائے گا اور جرم میں شریک جرم تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح دو مسلمانوں کے تعلقات کو بگاڑنا، چغلی کے ذریعہ فساد برپا کرنا بھی غلط سفارش میں شامل ہے حضور کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں غلط کار وہ لوگ ہیں جو چغلیاں کھا کر دوستوں کے باہمی تعلقات کو بگاڑتے رہتے ہیں۔

مؤمن کا قتل

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا (النساء:۹۳)

"اور جو مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرڈالے تو یادرکھو! کہ اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اوراس پر اللہ کا غضب ہوا اور اس کی پھٹکار پڑی اوراس کے لئے خدا نے بہت بڑا عذاب تیار کرر کھا ہے۔"

قتل کرنے کے دو قسم ہوتے ہیں ایک قتل خطا دوسرا قتل عمد۔ قتل خطا ایسا قتل ہے کہ قتل کرنے کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ کسی شکار پر گولی چلائی گئی اوروہ جاکر انسانوں کو لگی یا بے خبری میں گولی چل گئی اور کسی انسان کو جاکر لگی اس قتل خطا پر کفارہ ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں قتل عمد وہ ہے جو جان بوجھ کر، پورے ارادے اور عزم کے ساتھ کسی مسلمان کو قتل کردیا جائے۔ اس گناہ کی شدید ترین سزا بتائی گئی ہے۔ پورے قرآن مجید میں کفر وشرک کے علاوہ کسی گناہ پر ایسی وعیدیں نہیں سنائی گئی ہیں۔ پہلے فرمایا کہ **فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ** "اس کی دوزخ کی آگ ہے۔" پھر فرمایا کہ: **خٰلِدًا فِيۡهَا** "اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔" پھر فرمایا: **وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ** اس پر خدا کا غضب ہوگا اوراس کو ملعون بنایا گیا۔ پھر اس پر بس نہیں آگے فرمایا: **وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا** "اللہ تعالیٰ اس قاتل کے لئے بڑا عذاب تیار کرر کھا ہے۔" **عَذَابًا عَظِيۡمًا** عربی میں نکرہ ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا بڑا عذاب جس کو متعین نہیں کیا جاسکتا، جو بیان میں نہیں آسکتا۔

اس بات پر پوری امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو اس کے اسلام کی وجہ سے قتل کرتا ہے تو یہ خالص کفر ہے۔ دوسری صورت میں بھی یہ گناہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے اس لئے ایک حدیث میں فرمایا گایا ہے کہ: "قیامت کے روز سب سے پہلے قتل کے معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے فنا کرنے سے بھی بدتر گناہ ہے۔"

بے لاگ گواہی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ (النساء:۱۳۵)

"اے ایمان والو! ہر حال میں انصاف پر قائم رہو۔ اوراللہ کے لئے سچی اور بے لاگ گواہی دو۔ خواہ اس گواہی کا نقصان تمہاری ذات پر پڑے یا تمہارے والدین اور رشتے دار اس کی زد میں آجائیں! کوئی غریب ہے یا امیر اس کا خیر خواہ اللہ ہی ہے۔ تم خواہش نفس کی وجہ سے عدل وانصاف سے روگردانی ہرگز نہ کرو۔"

اسلام میں عدل وانصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ عدل اللہ کی صفت اوراس کی اسماء حسنیٰ میں شامل ہے۔ اس لئے بار بار قرآن مجید میں اہل ایمان کو اس پر قائم رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

عدل پر قائم نہ رہنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی دشمنی میں وہ حد سے باہر نکل جائے پھر اس سے انصاف نہ کرسکے دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کی دوستی یا اپنے رشتہ داری کی وجہ سے انسان ناجائز رعایت کرتا رہے اور انصاف سے اپنا دامن چھڑا لے۔ قرآن جس پر اترا ہے اس شخصیت نے دوستی اور دشمنی کے پیمانے تبدیل کر دیے ہیں۔ فرمایا کہ: الحب للہ والبغض للہ "اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر دشمنی تمہارے تعلقات کی بنیاد ہونی چاہیئے۔"

اس وقت بھی انصاف پر قائم رہو جب جذبات کے طوفان میں عقل اور شعور کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ اور پائوں ڈگمگا جاتے ہیں۔ فرمایا کہ تمہاری گواہی صرف خدا کے خوف کی بنیاد پر قائم ہونی چاہیئے۔ گواہی ایسی بے لاگ ہو کہ اس کے اثرات کسی پر بھی پڑیں تو بھی آپ جرأت واستقامت کے ساتھ عدل وانصاف پر قائم رہیں۔ حضور کریم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو شرک کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ اس کے بعد کسی مسلمان کے لئے انصاف سے ہٹنا ناممکن ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو عذاب کرنے میں خوشی نہیں ہوتی

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا

(النساء: ۱۴۷)

"لوگو! اگر تم شکر کرو اور خدا کی نعمتوں کی قدر کرو، ایمان کے ساتھ ٹھیک کام کرتے رہو تو خدا کو تمہیں عذاب دینے میں کیا خوشی حاصل ہو سکتی ہے! وہ تمہیں کیوں عذاب دے؟ خدا تو انسانی اعمال کا قدر شناس اور اس کا علم رکھنے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کسی کا رشتہ دار نہیں ہے۔ نہ ہی انسانی جذبات اور عصبیات رکھتا ہے۔ وہ خیر کو چاہتا ہے اور شر کو ناپسند کرتا ہے، ذاتی دوستی اور دشمنی کسی کے ساتھ بھی ان کی نہیں ہے۔ خدا کا پیمانہ عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ انسانوں کو پیدا کرکے ان کے لئے بے شمار نعمتیں مہیا کی گئی ہیں۔ امتحان گاہ میں شعور اور ارادے کے ساتھ ایک مقرر مدت تک رکھا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ اے انسانو! مجھے تم کو عذاب کرنے سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہو گی نہ ہی اس میں میرا کوئی فائدہ ہے۔ یہ تو آپ پر چھوڑا گیا ہے کہ اگر تم ایمان اور شکر کے ساتھ زندگی بسر کرو گے تو پھر تمہیں بے شمار نعمتیں مزید ملیں گی اور ساتھ ہی میری محبت اور چاہت بھی تمہیں حاصل ہو گی، دوسری صورت میں تمہیں عذاب سے دوچارہ ہونا پڑے گا۔

مظلوم کو فریاد کرنے کا حق

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا

(النساء: ۱۴۸)

"یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے کہ کسی شخص کی برائی علی الاعلان کرتے رہو ہاں فقط مظلوم کو یہ

حق دیا جاتا ہے کہ وہ ظالم کے خلاف اس کے ظلم کی پروپیگنڈہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے اور جانتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ واضح طور پر اس بات کی ممانعت فرمادی کہ کسی بھی انسان کی برائی کھلے عام بیان کی جائے اس کے سامنے کرنے سے اس کی دل آزاری ہوگی اور اس کے غائبانہ طور پر برائی بیان کرنے سے غیبت جیسا بڑا گناہ لازم آئے گا۔ گویا کہ معاشرہ کو پرامن اور صاف ستھرا رکھنے کے لئے برائی کا اخفا کرنا لازم کر دیا گیا۔ مگر ایک استثناء دیا گیا کہ مظلوم شخص کو کسی ظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس لئے کہ ظلم کرنا ایک ایسا گناہ ہے اور معاشرہ میں فساد پھیلانا ہے کہ اس سے پورا معاشرہ بگاڑ کی زد میں آجاتا ہے۔ ظالم کا ہاتھ نہ روکا گیا اس کے خلاف نفرت کی فضا قائم نہ کی گئی تو ظالم شخص انسانوں کو آزاد اور پرسکون زندگی گذارنے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ ظلم کے بعد انسان کی زندگی آزادی سے نکل کر غلامی تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے ظالم کے خلاف کلمہ حق بلند کرنا افضل الجہاد قرار دیا گیا ہے اور یہ برائی نہیں بلکہ عظیم نیکی شمار کی جائیگی۔

دین میں غلو کرنے کی ممانعت

يَآَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (النساء:۱۷۱)

"اہل کتاب! اپنے دین میں غلومت کرو (یعنی اعتدال وتوازن قائم رکھو حدود سے تجاوز نہ کرو۔)"

مبالغہ آمیزی انسان کی فطرت کمزوری ہے۔ کسی شخصیت کے لئے امتیازی حیثیت قائم کرنا اور ان کو خصوصی درجہ دی کر بڑھانا غلو ہے اس سے شرک اور شخصیت پرستی کی شاخیں پھوٹتی ہیں ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کر لیا تو اس کو خدا کا بیٹا قرار دینا اور کسی شخصیت کو کوئی خاص مرتبہ عطا کیا گیا ہو تو اس کو بشریت کے حدود سے باہر سمجھنا، اور دنیا کی چمک دھمک سے روک دیا جائے تو اس کو "ترک دنیا" تک پہنچانا یہ غلو کی صورتیں ہیں۔ مبالغہ آمیزی سے دین کی بنیادی شکل جو سادگی اور بے تکلفی پر مبنی ہے۔ اس میں بگاڑ آجاتا ہے۔ پھر بگڑا ہوا دین اصل دین کی حثیت اختیار کر لیتا ہے۔ بدعت کو اس لئے گمراہی کہا گیا کہ بدعت، سنت کی جگہ لے لیتی ہے۔ بدعت پر عمل کرنے سے آپ سنت رسول کے تارک بن جاتے ہیں۔ جب ایک مرتبہ بدعت پر عمل شروع ہوا تو بتدریج بدعات آتی جائیں گی پھر ایسا مرحلہ آئے گا کہ آپ کسی ایک بھی سنت رسول ﷺ پر عمل نہیں کر سکے گیں۔ پھر پورا دین بدعات کا مجموعہ بن جائیگا۔ فرقے، گروہ اور جماعتیں اس لئے وجود میں آئیں کہ لوگوں نے سنتوں کو چھوڑ کر، جعلی اور گھڑی ہوئی رسموں کی تابعداری کی۔ کسی بھی امت کا زوال، دین کی بنیادی تعلیمات سے انحراف کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ آج ہم امت مسلمہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ دین کو قرآن مجید کی تعلیمات سے ہٹ کر اپنی بنائی ہوئی خواہشات پر چلا رہے ہیں اب دینی جلسوں، جلوسوں، ہنگاموں، کھیل تماشوں اور پھٹا کوں کی رسموں کو پورا کرنے تک رہ گیا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ محفل چراغاں سجا کر وہ نجات اخروی حاصل کر رہے ہیں۔ یہود نصاریٰ نے ایسے تماشے بجا کر اپنے دین کو مسخ کر دیا اب یہ امت ان کی اتباع میں اپنے دین کے ساتھ یہی مذاق کر رہی ہے۔

ایک دوسرے سے تعاون کی بنیاد کیا ہے؟

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ (المائدہ: ۲)

"تمہارا دستور العمل یہ ہونا چاہیئے کہ نیکی اور پرہیز گاری کی ہر بات میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ظلم کی بات میں کسی کی مدد نہ کرو۔"

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں دین اسلام کا ایک بنیادی اصول بتایا گیا ہے۔ تعاون کس سے کیا جائے اور کس سے نہ کیا جائے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کس کا ساتھ دیا جائے اور کس کا نہ دیا جائے۔ سیاسی زندگی میں اہل اقتدار سے کس طرح معاملہ کیا جائے ان سب امور میں اس اصول سے رہنمائی مل سکتی ہے۔

آج کی مہذب اور روشن خیال دنیا میں، اپنی قوم، اپنی پارٹی، اپنی تجارت اور اپنا گروہ حق اور باطل کی تمیز کے لئے کسوٹی بن گیا ہے۔ ایک انسان اس خیال کی تائید کرے گا یا اس موقف کی حمایت کرے گا جو اس کی قوم کا فیصلہ ہے۔ اس کی جماعت کا موقف ہے، اس کے گروہ کی رائے ہے۔ اس میں یہ بات ہرگز نہیں دیکھی جائے گی کہ یہ ظلم پر مبنی ہے یا عدل پر! مگر اسلام اس کے برعکس ایک دوسری تعلیم دیتا ہے کہ آپ پارٹی اور قوم کی سطح سے بلند ہو کر اس طرح سوچیں کی نیکی اور تقویٰ کی بات کون کر رہا ہے اس کے ساتھ تعاون کریں۔ جو شخص برائی اور گناہ کی بات کرتا ہے تو اس سے دور ہو جائیں چاہے وہ آپ کا کتنا ہی قریب ترین ہو۔

انفرادی طور پر معاشروں میں بگاڑ اس طرح پیدا ہو چکا ہے کہ ہم نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہیں کرتے۔ کام کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو مگر چونکہ کوئی دوسرا اس کا بانی ہے تو ہم کیوں اس سے تعاون کر کے اس کا نام بلند کریں۔ اسی طرح اجتماعی اور سیاسی امور میں بھی موافقت اور مخالفت پارٹی کی بنیاد پر ہوتی ہے، حکمران کوئی بہتر کام کرے تو بھی تعاون نہیں کریں گے اور اگر ہم حکمران پارٹی میں شامل ہیں اور وہ غلط کام بھی کریں تو اس کی مخالفت نہیں کریں گے بلکہ پارٹی کی وجہ سے اس ظلم اور برائی میں اس کا حصہ بنتے رہیں گے۔ ہمارا تعاون اور مخالفت حق و باطل کی بنیاد پر نہیں بلکہ ذاتی مفادات اور شخصی انانیت پر ہے۔

اسلام۔ مکمل ضابطہ حیات

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ (المائدہ: ۳)

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے "الاسلام" کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔"

یہ آیت کریمہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب حضور کریم ﷺ ایک لاکھ سے زائد فرزندان توحید کے ساتھ اپنی زندگی کا پہلا اور آخری حجہ فرما رہے تھے، نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہوتے بعد تقریباً تین ماہ بعد آنحضرت ﷺ کا وصال بالرفیق الاعلیٰ ہوا۔ اس ارشاد الٰہی میں دین کے مکمل ہونے کی بشارت دی گئی

ہے۔اوراس کو نعمت کی تکمیل قرار دیا گیا ہے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو یہ دین دنیا میں پہلے پیغمبر کے آنے سے شروع ہوا ہے۔اور ہر پیغمبر نے اسلام کی دعوت ہی دی ہے۔ مگر ہر ملک میں، ہر قوم میں جزوی طور پر احکام کی تبدیلی ہوتی رہی۔ دنیا کا بچپن کا دور تھا تو احکامات اس طرح کے تھے پھر جوانی کا دور آیا تو احکامات میں تبدیلی آتی گئی۔ یہاں تک کہ اب دنیا اتنی متمدن اور عقل وشعور میں اس حد تک پہنچی کہ ایک کامل اور مکمل دین کی ضرورت پیش آئی اور ایک رہبر کی قیادت میں جمع ہو کر مرکزیت جہاں کا منظر سامنے آنا چاہیئے۔ تو حضرت رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری اور ختم نبوت کی سعادت عطا کی گئی اس لئے دین کو تمام کمالات سے مزین کر کے اس کو انسانیت کا آخری دین قرار دیا گیا۔ اب اس دین میں رہنمائی کے تمام اصول اور ہدایت کے تمام ضابطے موجود ہیں جو رہتی دنیا تک نوع انسان کے لئے کافی ہیں۔ اب کسی اور ضابطۂ حیات کی ضرورت نہیں رہی۔

ایمان اور عمل

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (المائدہ:۹)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت ہوگی اور بہت ہی بڑا اجر ہوگا۔"

اسلام میں ایمان اور عمل صالح کا بڑا گہرا رابطہ ہے۔ ایک کو اگر درخت تسلیم کیا جائے تو دوسرا اس کا میوہ ہے۔ ایک کو اگر پھول کہا جائے تو دوسرا ان کی خوشبو، ایک اگر بدن ہے تو دوسرا اس کی روح کے مانند ہے۔ پورے قرآن مجید کا مطالعہ کرتے جائیں تو آپ کو ایمان اور عمل صالح کا ذکر ساتھ ساتھ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے کیے ہیں۔ وہ ان دونوں چیزوں کے ساتھ مربوط ہیں۔ خدا کے نزدیک نہ صرف ایمان مطلوب ہے اور نہ ہی عمل۔ بلکہ ایمان اور عمل دونوں ایک ہی وقت میں مطلوب ہیں۔ اگر عمل ایمان کے بغیر ہے تو وہ کفر اور نفاق ہے اور اگر ایمان عمل کے بغیر ہے تو بہت بڑا گناہ۔

اس آیت کریمہ میں بھی ایمان اور عمل صالح کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لے آئے اور عمل صالح کرتے رہے تو ان سے ہی واعدہ ہے کہ ان کی مغفرت کی جائیں گی انکی غلطیوں کو معاف کیا جائے گا۔ دنیا اور آخرت میں ان کو بہتر صلہ ملے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اانہوں نے اپنے انعامات کے لئے واعدے کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ کا واعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا جائزہ لیں کی جب ہمیں ایمان کی عظیم سعادت حاصل ہوئی ہے تو اس کے ساتھ عمل صالح کی دولت سے بھی مالامال ہو جائیں۔ دنیا کی سعادتیں بھی ایمان و عمل سے حاصل ہوں گی اور آخرت کی مکمل نجات بھی ایمان و عمل صالح سے مشروط ہے۔

لعنت کے مستحق کون؟

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ (المائدہ: ۱۳)
"پس اس وجہ سے ان لوگوں نے اپنا عہد اطاعت توڑ دیا، ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ (کیونکہ قانون الٰہی یہی ہے کہ جو حق سے پھر جائے وہ رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اس کے دل میں اثر پذیری نہیں رہتی)۔"

بنی اسرائیل سے ان کے پیغمبروں کے ذریعہ میثاق لیا گیا۔ ان پر بارہ سردار مقرر کیے گئے کہ ان کی نگرانی کرتے رہیں۔ اس عہد میں یہ چیزیں شامل تھیں۔ خدا پرستی قائم رہنا۔ انسانوں کے حقوق ادا کرنا۔ پیغمبروں کی کامل اطاعت۔ دین کی جدوجہد میں مال خرچ کرنا۔ ان کاموں کا مکمل ادائگی سے وہ قرب خداوندی حاصل کرسکتے ہیں۔ جنت کا استحقاق عمل کے ساتھ وابستہ ہے کسی نسلی تعلق سے انحراف کرکے ایسے حیلے بہانے تلاش کرلیتے ہیں جن کے ذریعہ وہ جنت حاصل کرسکیں۔ وہم پرستی اور تماشہ بازی میں ایسی رسومات گھڑلی جاتی ہیں اور ان کو دین کی حیثیت دی جاتی ہے کہ وہ انسان مزاج کے لئے سہولتیں پیدا کرسکیں پس ایسا دین قومی ورثہ بن جاتا ہے۔ ایسے دین سے ہٹنا یا الٰہی غیر معقول حرکتوں پر نظر ثانی کرکے اصل دین کی طرف پلٹ جانا بہت دشوار معاملہ بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ ملعون ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ یہ لوگ رحمت سے دور، ہدایت سے بے بہرہ اور دل سیاہ کر دیے جاتے ہیں۔ پہلی امتیں بھی اس عذاب کی مستحق نہیں تھیں اور یہ امت بھی جو اپنے آپ کو صاحب فضیلت اور خیر امت کہلواتی ہے۔ اب اس صورتحال میں مبتلا ہوچکی ہے۔ دین کی بنیادی ہدایات سے منہ موڑ کر شرک، بدعات رسم ورواج اور غیر معقول حرکتوں میں پھنس کر لعنت کے قریب پہنچ رہی ہے۔ "ضالین" کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ "المغضوب علیھم" کا مقام بہت دور نہیں رہا۔ اس ذلت سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم توحید پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں حضرت رسول اکرم ﷺ کی کامل اطاعت پر گامزن ہوں اور جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ ہمارا شعار بن جائے اور حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی ہرگز نہ کریں۔

عدل وانصاف

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (المائدہ:۴۲)
"اگر فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو (کسی کی پرواہ نہ کرو) بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

عربی زبان میں انصاف کی معنٰی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کیا جائے کہ ان میں کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ علم الاخلاق میں معنٰی یہ ہے کہ کوئی قول ہو یا عمل یا زندگی کا کوئی رویہ ہو اس میں صداقت کا ترازو کی طرف بھی جھکا ہوا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا کہ :واللہ یقتضی الحق "اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلے کرتا ہے۔" عملی عدل اللہ تعالیٰ کی خاص وصف ہے اس طرح فرمایا:یقول الحق "اللہ تعالیٰ بات بھی حق کی کرتا ہے۔" اس طرح قولی عدل بھی اللہ کی خاصیت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ قولی اور عملی عدل سے

متصف ہے تو بندہ مومن کو بھی :تخلقوا باخلاق اللہ "اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا جلوہ گر ہونا چاہیئے کبھی بھی وہ عدل اور حق سے سر مو بھی انحراف نہ کرے۔"

اسلام میں عدل وانصاف کا جو حکم دیا گیا ہے وہ زندگی کے ہر شعبہ میں کار فرما ہو۔ اخلاق، معاشرت، معیشت اور سیاست میں ہر جگہ انصاف کی بالادستی نظر آنی چاہیئے۔ یتیموں، مسکینوں، محروموں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کرو، گھر کی زندگی میں حکم دیا گیا کہ اگر تم انصاف نہ کر سکو تو صرف ایک ہی نکاح پر قناعت کرلو۔ تجارت میں تول ناپ میں انصاف پر قائم رہو ایسا نہ ہو کہ دینے اور لینے کے مختلف پیمانے رکھو۔

بحر حال ہر معاملے میں اس بات کو ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ظلم وزیادتی کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے اور عدل انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

اذان

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ

(المائدہ:۵۸)

"اور جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو (یعنی اذان دیتے ہو) تو یہ اسے تماشہ بناتے ہیں اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اس لئے کہ یہ ایک ایسا گروہ ہے کہ سمجھ بوجھ سے بہرہ ہے۔"

اسلام میں جماعت کے ساتھ عبادت کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ انتظام ہجرت کے بعد مدینہ الرسول ﷺ میں رائج ہوا۔ اس وقت تک عبادت کے لئے بلانے کا کوئی خاص طریقے موجود نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اصحاب کرام کے مشورہ سے اذان کا موجودہ طریقہ اختیار کیا اب مدینہ کی فضا توحید کے آواز سے گونجنے لگی۔ دوسری طرف منافقین اور معاندین کا یہ رد عمل ہوا کہ وہ اس مقبول آواز سے گھبرا اٹھے۔ چاہتے تھے کہ یہ آواز لوگوں تک نہ پہنچ پائے۔ انہوں نے یہ کام کیا کہ جوں ہی اذان کی آواز شروع ہوتی تو یہ لوگ ہنسی مذاق اور بڑی آواز سے مسخریاں کرنے لگ جاتے تاکہ آذان کی آواز دب کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کیسے عقل وشعور سے پیادل لوگ ہیں کہ اللہ کی کبریائی کا اعلان ایسی ذلیل حرکتوں سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس میں وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے۔

"اذان" اسلام کی خصوصیات اور شعائر میں داخل ہے۔ کسی مذہب میں دن میں پانچ بار تو دور کی بات ہے ایک بار بھی عبادت کے لئے بلانے کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ وہ ناقوس بجا کر بلاتے رہتے ہیں۔ مگر یہ طریقہ عبادت کی طرف بلاوا ہی نہیں بلکہ خود اعبادت کا درجہ حاصل کر چکا ہے یہ ایک اسلام کا زندہ جاوید معجزہ ہے۔ آج زمین پر مختلف اوقات بدلنے سے یہ بات موجود ہے کہ ہر لمحہ اذان کی آواز گونج رہی ہوتی ہے اور خدا کی بڑائی، توحید، رسالت کا اعلان کائنات کی ہر چیز تک پہنچ رہا ہے۔ ایک انگریز مفکر نے حیرت سے کہا کہ سکندر اعظم مر گیا مگر بلال حبشیؓ موذن رسول آج بھی زندہ ہے۔

قرآن مجید کا دل پر اثر

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (المائدہ: ۸۳)

"اور جب یہ اہل کتاب وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں جوش گریہ سے بہنے لگتی ہیں، کیونکہ انہوں نے اس کلام کی سچی پہچان لی ہے۔ وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں، خدایا! ہم اس کلام پر ایمان لائے پس ہمیں بھی ان ہی میں لکھ دے جو تیری سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔"

اہل کتاب میں یہودیوں کا طرز عمل تو شدید مخالفانہ ہوتا تھا اور وہ جان بوجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے پر تلے ہوئے ہوتے تھے مگر نصاریٰ کا رویہ کچھ مختلف تھا۔ ان میں بعض لوگوں کی کیفیت حق قبول کرنے جیسی ہوتی تھی۔ اس آیت کریمہ میں ایسے ہی عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ ان میں سے کچھ لوگ جب قرآن مجید کو سنتے ہیں تو ان کی دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان لے آئے اور ہمیں گواہی دینے والوں میں شمار کیا جائے۔ یہ اشارہ ہے حبش کے بادشاہ نجاشی کی طرف کہ جب صحابہ کرام کا ایک گروہ مکۃ المکرم سے ہجرت کر کے حبش پہنچا اور وفد کے قائد حضرت جعفر طیارؓ نے بادشاہ کے سامنے قرآن مجید کی سورۂ مریم کی تلاوت کی تو بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور اس حکم الٰہی کی تصدیق کی اور پھر ایمان کا برملا اعلان کیا۔ یہاں تک جب اس کی وفات ہوگئی تو حضور کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

قرآن مجید یقینی طرح ایک انقلاب پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ اس پر غور و فکر کرنے اور اس پر عمل کرنے والوں کی تو دنیا ہی بدل جاتی ہے اور ایسا معاشرہ جو قرآن کے اصول کے تحت قائم ہو تو وہ معاشرہ جنت نظر بن جاتا ہے جیسا کہ خلافت راشدہ کے دور میں ایسا معاشرہ وجود میں آیا تھا۔ مگر قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اس کو سمجھنے سے بھی دل پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بے اختیار انسان حق کی صداقت کا اعلان کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آج بھی پوری دنیا میں قرآن مجید کے مطالعہ سے لاکھو لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کے برعکس کہ امت مسلمہ کی صورتحال کیا کچھ بھی ہے!

خدا پرستی یا مخلوق پرستی

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ

(الانعام: ۱۴)

"اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں سے کہو کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں خدا کو چھوڑ کر، جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، کسی دوسری ہستی کو کارساز بنالوں؟ وہ سب کو روزی دیتا ہے۔ لیکن کوئی نہیں جو اسے روزی دینے والا ہو۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا وجود، اس کا ایک ہونا، کائنات میں اس کا تصرف اور کسی کا بھی اس کے ساتھ شریک

نہ ہونا، یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور یہی ایمان کی بنیاد ہے۔ خدا چونکہ کائنات کا خالق ہے، مالک ہے، نگہبان اور چلانے والا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ مخلوق میں سے ہر چیز کی حالت سے پوری طرح باخبر ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے، سب کی حالت کو جانتا ہے وہ اس چیونٹی کے پائوں کی آواز بھ سنتا ہے جو کسی گڑھے میں چکنے پتھر پر ہولے رینگ رہی ہو۔ اس کو سمندروں کے ساری پانیوں کی ناپ، تمام پہاڑوں کے پتھروں کا وزن، بارش کے قطروں کا شمار، درختوں کے پتوں کی گنتی، اس طرح ہر چیز کا کامل اندازہ معلوم ہے۔ ایسی عظیم الشان ہستی کی موجودگی میں کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس کو چھوڑ کر کے دوسری مخلوق کی پرستش کی جاتے کسی اور کو کارساز اور حاجت روا تسلیم کیا جائے؟ خالق کائنات کی عبادت فطرت کے عین مطابق ہے جب کہ اس کی عبادت سے روگردانی کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ پھر وہ ایسی مہربانی اوشفقت فرمانے والی ذات مقدس کہ سب کو روزی دے رہی ہے سب کی پرورش کر رہی ہے۔ سب کے لئے اسباب معیشت مہیا کرر کھ ہیں۔ اور وہ خود کسی چیز کی بھی محتاج نہیں ہے۔ وہ بے نیاز، بے احتیاج اور یکتا ہستی ہے۔

خدا کی قوت کا کرشمہ

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (الانعام: ۱۸)

”اور وہی ہے جو اپنے تمام بندوں پر طاقت اور غلبہ رکھنے والا ہے اور وہی ہے حکمت والا اور سب سے باخبر اور آگاہ۔“

ہمارے سامنے جو اتنی بڑی کائنات موجود ہے، اس کے مختلف ہے آپس میں اس قدر مربوط اور ملے جلے ہیں کہ دنیا میں جو بھی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اس میں ان کا باہمی تعلق اور تعاون ہوتا ہے اس لئے کسی انسان کی یہ مجال نہیں ہے کہ کسی واقعہ کو عملی صورت پر ظاہر کر سکے کیونکہ انسان کو ذاتی طور پر کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کو قوت اور غلبہ حاصل ہے کہ وہ کسی چیز کو ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس دنیا میں کوئی چھوٹے سے چھوٹے عمل تب تک عملی صورت گری نہیں حاصل کر سکتا جب تک کہ پوری دنیا اس کے ظہور میں تعاون نہ کرے۔ اس پر انسان کو سوچنا چاہیئے کہ وہ کسی کو بھی آباد کرنے یا برباد کرنے، کسی کو نفعہ یا نقصان دینے کا ذاتی اختیار نہیں رکھ سکتا نہ ہی کسی کو دے سکتا ہے نہ ہی چھین سکتا ہے۔ نہ کسی کو زندگی اور موت دے سکتا ہے۔ انسان کو انسان سے امید رکھنا، اس سے ڈرنا یا اس کا سہارا لینا یہ کم عقلی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تمام تر قوتیں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ دنیا میں کچھ اسباب فراہم کئے گئے ہیں انسان ان اسباب کے تحت بعض معاملات کر سکتا ہے مگر اسباب کی فراہمی اور ان کار و بعمل ہونا بھی خدا کی مشیت کے ساتھ معلق ہے۔

یہ باتیں اللہ تعالیٰ نے انصاف والے دن سے پہلے انسان کو بتلائی ہیں تا کہ وہ دنیا میں بھی درست نتائج حاصل کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وحی الٰہی سے غافل ہو کر زندگی بسر کرے اور پھر جب اس دن اس کی حاضری ہو گی تو وہ کف افسوس ملتا رہے اور وہاں عملی طور پر دیکھ لے کہ ساری قوتیں اور غلبہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے جو سہارے بنائے تھے وہ خاک آلودہ ہو گئے۔

مرنے کے بعد کی زندگی

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (الانعام: ۲۹)

”اورانہوں نے کہا: زندگی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں مر کر پھر اٹھنا نہیں۔“

اسلام جن حقائق پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، ان میں سے ایک بنیادی حقیقت آخرت کا عقیدہ ہے۔ یعنی اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور جہان آباد ہوگی۔ جس میں ہمیشہ کے لئے آباد ہونا ہے۔ یہ دنیا توانسان کے لئے ایک عارضی قیام گاہ ہے جو صرف امتحان آزمائش کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ایک دن آئے گا کہ اس دنیا کو ختم کیا جائے گا۔ ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جائیں گی۔ مرنے کے بعد پھر سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ ہر ایک کو اپنے رب کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ دنیا میں انہوں نے جو عمل کئے تھے ان کے مطابق ان کو بدلہ ملے گا۔ جب یہ حقیقت دنیا میں بتائی گئی تو کئی لوگ تھے جو اس کو ماننے سے انکار کرتے رہے اور آج بھی کئی لوگ اس شک میں مبتلا ہیں، ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ ہم مرنے کے بعد کس طرح زندہ ہوں گے؟ دوسری طرف موجودہ علوم کی ترقی اور سائنس نے اس حقیقت کو سمجھنے میں بڑی آسانی کردی ہے۔ انسان کا جسم کچھ خاص اجزا سے مل کر بنا ہے جس کے مجموعہ وحدت کو ”خلیہ یا سیل“ کہا جاتا ہے۔ ایک انسانی جسم میں اندازا ۲۶ پدم سیلز موجود ہیں۔ یوں سمجھیئے کہ چھوٹی اینٹیں ہیں جس سے جسم کی عمارت بنی ہے۔ سائنس بتا رہی ہے یہ ہر وقت بدلتی رہتی ہیں یہاں تک کہ دس سالوں میں سب کی جگہ دوسری آجاتی ہیں۔ اس طرح ہر دس سال کے بعد ہمارا جسم بدل جاتا ہے مگر اس کے اندر کا نسان وہی قائم رہتا ہے۔ اس خیال کے مطابق پچاس سال عمر میں انسان اپنی زندگی میں پانچ بار مرتا اور پھر زندہ ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر انسان کا جسم پانچ بار ختم ہو کر پھر زندہ ہو سکتا ہے تو کیوں چھٹی بار مر کر زندہ نہیں ہو سکتا۔ اس کو کیوں ناممکن سمجھا جا رہا ہے۔

آخرت کا عقیدہ نہ صرف عدل وانصاف کی تقاضائوں کو پورا کرنے کے لئے لازمی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ یہ عقل وشعور کے بھی عین مطابق ہے اگر انسانی مادیت میں اپنے آپ کو غرق نہ کرے تو ہر بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

خدا کی ملاقات سے انکار کرنا

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ط (الانعام: ۳۱)

”یقیناً وہ لوگ نقصان اور تباہی میں پڑ گئے جنہوں نے مرنے کے بعد خدا کی ملاقات کو جھٹلایا۔“

جب بھی کوئی انسان حق کا انکار کرتا ہے یا نفس کی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے تو وہ اس لئے کرتا ہے کہ اس کو خدا کے پاس حاضر ہو کر جواب دہی اور جزا اور سزا کا یقین نہیں ہوتا۔ وہ خدا کی ملاقات کو ایک افسانہ

قرار دیتا ہے۔ اس دنیا کی مال و دولت، اختیار اور اقتدار، دوست، احباب، ان کے لئے بڑا سہارا ہوتے ہیں۔ سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں بھی حاصل ہیں تو اب کسی کی کیا پرواہ۔

اس قسم کی زندگی گذارنے کے بعد، زبان سے موت کا اقرار یا انکار ایسے شخص کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ایسی زندگی ایک مجرم کی زندگی ہے۔ کیا یہ نادان انسان! اس پر غور نہین کرتا کہ اس کو جو روشنی مل رہی ہے، جو ہوا اس کو نصیب ہو رہی ہے۔ جس زمین سے اس کو رزق مہیا ہوتا ہے کیا ان چیزوں کا اس نے کوئی معاوضہ ادا کیا ہے؟ یا ان چیزوں کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی دخل ہے؟ کیا ان چیزوں کے حساب و کتاب دینے کے لئے ان کو کسی کے ہاں پیش نہیں ہونا ہے! جب کہ یہ ان کا مالک بھی نہیں ہے۔ تو کیا مالک اس سے ایک دن ان کے متعلق سوال جواب نہیں کرے گا۔ پھر یہ شخص کس طرح خدا تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے سامنے حاضر ہونے سے کیوں کر انکار کر رہا ہے۔ یہ تو اس کی خالص ہٹ دھرمی ہے ایک دن آکر رہے گا، جب امتحان کی آزادی ختم ہو جائیگی اور یہ شخص طاقتور کے سامنے کمزور کی حثیت سے پیش ہو گا۔ پھر اس دن کے اقرار سے اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔

آخرت کا عقیدہ

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰـكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى (الانعام: ٦)

”اور دیکھو! وہی ہے جو رات کے وقت تم پر موت طاری کر دیتا ہے (یعنی سلا دیتا ہے) اور جو کچھ تم نے دن میں کاوشیں کی تھیں ان سے بے خبر نہیں ہے۔ پھر رات بھر سو لیتے ہو تو دن کے وقت تمہیں اٹھا کر کھڑا کرتا ہے تا کہ اپنی کوششوں میں لگ جاؤ اور زندگی کی مقرر میعاد پوری ہو جائے۔“

آخرت کے عقیدے کے متعلق ہمارے ذہنوں میں جو سوال پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں وہ دو ہیں ایک یہ کہ کیا واقعتاً ایک دن ایسا آئے گا یہ ساری دنیا فنا ہو جائیگی کیا یہ ممکن ہے؟ دوسری بات یہ مرنے کے بعد کیا پھر ہمیں زندہ کیا جائے گا؟

یہ عقیدہ آخرت چونکہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس لئے اس کو بار بار مثالوں سے واضح کر کے سمجھایا جاتا ہے کہ ساری شبہات دور ہو جائیں۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہ کائنات کس طرح فنا ہو جائیگی تو اس پر حیرت نہیں ہونی چاہیئے حیرت تو اس پر ہے کہ اب تک کس طرح چل رہی ہے! کائنات نام ہے نامعلوم خلا کا۔ جس میں بے شمار ستارے گردش کر رہے ہیں یہ گردش کسی وقت بھی زبردست ٹکراؤ کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ جیسے فضا میں اگر لاکھوں بم گرانے والے جہاز گردش میں ہوں اور کبھی آپس میں ٹکرا جائیں تو جو صورتحال پیدا ہوں گی اس کا دوسرا نام قیامت ہو گا۔

ہم مر کر پھر زندہ کیسے ہوں گے! قرآن کہتا ہے کہ تم نے اپنی نیند پر غور کیا ہے۔ ہر رات ایسی آتی ہے کہ

تم نیند کی حالت میں مر جاتے ہو، آپ کی قوتوں کو مفلوج کیا جاتا ہے، پھر دن میں بیدار ہو کر زندہ ہو جاتے ہو۔ اس طرح تم کو اللہ تعالیٰ روزانہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ یہ خدا کے لئے کیا مشکل ہے کہ تم کو ایک عرصہ تک سلادے اور موت دے دے اور پھر بیدار کر کے زندہ کر دیے۔ عقل سیدھی ہو تو قیامت کا ماننا آسان بات ہے مگر عقل میں ٹھیڑ واقع ہو تو پھر ہر چیز کا انکار کر کے اپنی جہالت کا اعلان کرنا ہے۔

دین کو تماشا بنانا

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (الانعام: ۷۰)

"اور اے پیغمبر! جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنالیا ہے ان سے دور رہو۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔"

پہلے لوگوں نے جن کو کتاب اور ہدایت دی گئی تھی انہوں نے اپنے دین کو بگاڑنا شروع کیا اور انہوں نے عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے اصولون کو ترک کر کے ناچ گانا، کھیل اور تماشہ کو اپنے دین میں شامل کر دیا یہاں تک کہ یہی چیزیں ان کی دینی شناخت بن گئیں۔ اصل دین تو جاتا رہا مگر یہی چیزیں علامات بن کر رہ گئیں۔ یہ لوگ ان پر کاربند ہو گئے۔ پھر اصل دین بھی غائب ہو گیا اور قومیں بھی فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی قوموں کی پیروی کرنے سے منع کیا ہے تاکہ ان کا دین محفوظ رہے اور دین کے نام پر نامعقول حرکات دین کا درجہ حاصل نہ کر سکیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ایک دن عید کا مقرر کیا تاکہ اس دن میں یہ لوگ اجتماعی طور پر خدا کی عبادت کریں اور اللہ کی کبریائی کا اعلان کریں۔ اپنے دلوں کو خدا کی یاد سے معمور کریں۔ مگر بعد کے لوگوں نے اس دن کو ایک رسمی دن بنادیا اور اب اس دن میں زیادہ وقت کھیل تماشوں میں صرف کر رہے ہیں (تفسیر کبیر)

ہر عمل کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ پھر اس کا ایک ظاہری پہلو اور دوسرا باطنی ہوتا ہے۔ عید کا ظاہری نمونہ نئے کپڑے پہنا۔ آپس میں ملنا ملانا، خرید و فروخت، کھانے تیار کرنا وغیرہ ہے مگر باطنی پہلو اللہ کی کبریائی، اس کی یاد اور بارگاہ ایزدی میں اجتماعی شکر گذاری ہے۔ اب اگر اس اصل مقصد پر نظر نہ پڑی اور ظاہری چیزوں میں زیادتی الجھ گئے تو دین کی روح فنا ہو گئی اور دنوی مقاصد دین بنتے گئے۔ آج یہ امت مسلمہ بھی اجتماعیت اور مرکزیت چھوڑ کر و فرقوں اور گروہوں میں بٹ چکی ہے۔ ہر فرقے نے اپنی شفافیت کے لئے کچھ چیزوں کو اپنے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ یہ جلسے، جلوس، ہنگامے اور تماشے، مظاہرے اور مسخریاں ایجاد کر کے اس کو دین قرار دیا گیا ہے۔ کہاں جاتا ہے کہ یہ دین تم نے کہاں سے لایا ہے؟ کہتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد یہی عمل کرتے آئے ہیں۔ اب ہم اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ قرآن مجید نے بہتر تبصرہ فرمایا ہے کہ ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اب یہ لوگ دین کو بھی دنیا کے نکتہ نظر سے دیکھتے ہیں۔

موت کے وقت کی حالت

وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ فِىۡ غَمَرٰتِ الۡمَوۡتِ وَالۡمَلٰۤـئِكَةُ بَاسِطُوۡۤا اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ (الانعام: ۹۳)

"اور اے پیغمبر! تم تعجب کرو اگر ظالموں کو اس حالت میں دیکھو جب وہ جان کنی کی بے ہوشیوں میں بے دم پڑے ہوں گے اور فرشتے ان کی جان نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھائے ہوں گے۔"

اے پیغمبر! اگر ظالموں کو اس وقت دیکھیں جب ان پر موت طاری ہوتی ہے، تو وہ خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اس وقت ان کو دنیا کی کوئی چیز کام نہیں آئیگی۔ دنیا کو بھول جائیں گے صرف آخرت کا ہولناک منظر ان کے سامنے ہو گا۔ ان کے برے اعمال ڈراؤنی شکل کے فرشتوں کی صورت میں ان کے سامنے ہوں گے۔ اور وہ کہیں گے کہ اب روح جو جسم سے الگ کرو۔ ذلت کا عذاب تمہارا انتظار رہا ہے تم خدا پر جھوٹے الزامات لگاتے تھے اور کبر و غرور کا رویہ آیات الٰہی کے مقابلہ اپناتے تھے۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ہر پیدا ہونے والے فرد پر اس کیفیت کا آنا لازمی ہے۔ ہر چیز کو چھوڑ کر ایک نئی دنیا کی طرف سفر کرنا بدیہی امر ہے۔ جب موت آرہی ہوتی ہے تو دنیا کے انسان، دوست احباب، رشتے دار اور اس کو چاہنے والے سب کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کو اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ جانے والے کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ اور جب کہ جانے ولا ہر چیز دیکھ رہا ہوتا ہوا کہ: فَلَوۡلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ (الواقعہ: ۸۳)

جب مرنے والے کا دم حلف تک آجاتے ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو تو کیوں نہیں اس روح کو واپس کرتے ہو۔ دنیا میں بڑی طاقتور تک اور اختیارات کے مالک کہلواتے تھے اب اتنا بھی بس نہیں چلتا کہ اس روح کو روک لو۔ ہزاروں انسان روزانہ جا رہے ہیں کسی ایک کو تو روک سکو! جھوٹے غرور اور گھمنڈ کرتے ہو۔ ذرا بھی اختیار اور حکومت نہی ہے۔ ارشاد ہوا کہ: يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ (محمد: ۲۷)

فرشتے اس وقت ان کے چہروں اور پشتوں پر طمانچے رتے ہیں۔ یہ سارا منظر وہ شخص خود دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ مجھے مارا جا رہا ہے اور مجھے کوئی چھڑانے والا نہیں ہے۔ یہ سب رو رہے ہیں مگر میری کوئی مدد نہیں کر رہا ہے۔ اس وقت کہا جا رہا ہے کہ اب چکھ لو وہ عذاب جس پر تو مسخریاں کرتا تھا اب تمہارا کوئی مدد گار اور کوئی ساتھی اور سہارا نہیں ہو گا۔ جن سہاروں کو بنایا تھا اور جن پر نازاں تھے وہ سب فنا ہو گئے۔ وہ تھے ہی نہیں تو خود پاگل بنا پھرتا تھا اور خدا کے سوا جھوٹے سہاروں کو خدا بنا رکھا تھا۔

انسانوں میں سے بھی شیطان ہوتے ہیں

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ يُوۡحِىۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا ؕ (الانعام: ۱۱۲)

"اور اے پیغمبر! اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے (جب وہ منصف دعوت پر فائز تھا) انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن ٹھہرا دیا۔ جو آپس میں ایک دوسرے کو دوکھے اور فریب کی

باتوں کو سکھاتے ہیں اوراس طرح لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔"

اے پیغمبر اسلام !جو شریر اور بدباطن لوگ تیرے گرد جمع ہیں اور وہ مل کر شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ اب کا قصہ نہیں ہے یہ تو ہر پیغمبر کے ساتھ ہوا ہے کہ جنوں اورانسانوں میں سے جو شیاطین لوگ ہیں وہ آپس میں ملکر انبیاء کوستاتے رہے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں ایک بار حضور کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مجلس میں بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر! تم نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا:" اے اللہ کے رسول میں نے نہیں پڑہی۔" آپ ﷺ نے فرمایا: " کہ پہلے اٹھو اور نماز ادار کرو۔" جب نماز سے فارغ ہو کر پھر مجلس میں آیا تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: کہ اے ابوذر! تو نے جنوں اورانسانوں میں سے جو شیطان ہیں ان سے خدا کی پناہ مانگی ہے! میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ ! کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپ نے فرمایا کہ:نعم هم شر من شیاطین الجن ہاں! "وہ جنوں کے شیاطین سے بھی بڑے شریر شیطان ہوتے ہیں جن کا تعلق انسانون سے ہوتا ہے۔"

قرآن مجید بھی تصدیق کرتا ہے کہ : الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶ (ابن کثیر)

انسانوں اور جنوں میں سے ایسے شیاطین ہوتے ہیں جو حق کی باتوں میں شہادت اور باطل خیالات ڈالتے ہیں اور لوگوں کو حق سے باطل کی طرف پھیرتے ہیں۔

یہاں انسانوں میں سے وہ شیطان مراد ہیں جو حق کو مٹانے کے لئے قائدانہ کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے قوموں کے سردار، گروہوں کے اختیار کے مالک، جن کا اثر، غلبہ اور قوت لوگوں پر ہوتی ہے اور یہ لوگ اپنے اختیارات حق کی خلاف استعمال کرتے ہیں، حق کے مقابلہ میں فرعون ، قارون، ہامان، ابولہب، آذر، چنگیز، ہلاکو بن کر ابھرتے ہیں، یاانسانوں پر قیصر وکسریٰ کی طرح مسلط ہو جاتے ہیں اور غلام بنا کر رکھتے ہیں ایسے شیطانوں نے اانبیاء سے مقابلہ کیا تھااور آج بھی لوگ شیطانی کردار ادا کررہے ہیں۔

صراط مستقیم یا اکثریت!

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (الانعام: ۱۱۶)

"اگر آپ نے انسانوں میں سے اکثریت جس طرف سے ہے۔ اس راستہ کی اطاعت کی تووہ آپ کو صراط مستقیم سے منحرف کردیں گے۔"

عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ جس طرف لوگوں کی اکثیریت ہے وہی حق ہے۔ جس بات پرزیادہ لوگ جمع ہوں وہی درست ہوگی۔ اگر کسی بات کے لئے پوچھا جائے کہ یہ بات صحیح ہے یاغلط! عام لوگ کہہ دیں گے جن کی طرف زیادہ لوگ ہوں وہی بات صحیح ہوگی۔ قرآن مجید ایک دوسرا اصول مقرر کرتا ہے کہ سیدھی راہ اورانسانوں کی اکثریت میں سے آپ کو انتخاب کرنا ہے توسیدھے راہ کا انتخاب کرو، یہ نہ دیکھو کہ عام انسان کس طرف ہیں! جس طرف عوام کی اکثریت ہے اس کو اگر میعار بنانے لگیں گے تو آپ راہ راست سے

منحرف ہوجائیں گے۔ پھر کبھی بھی دلیل کی بنیاد پر کسی موقف کو اختیار نہیں کر سکیں گے۔
چلو تم ادہر کو ہوا ہو جدہر کی، اگر یہ اصول اپنا یا گیا تو پھر حق کو اپنانا، حق سے وابستگی اور حق پر چلنے کارویہ کمزور پڑ جائے گا۔ آپ کا معیار یہی رہ جائے گا جیسے بہت سارے لوگ کر رہے ہیں وہی کام کیا جانا چاہیئے وہ حق ہو یا باطل!

جھوٹ باطل ہے چاہے سار معاشرہ جھوٹ کو اپنالے۔ ظلم وستم ناانصافی ہے چاہے سارے ظالم، جابر اور طاقتور لوگ مسلط ہو کر ظالمانہ معاشرہ قائم کرلیں۔ نجاست ایک برائی ہے۔ ملاوٹ ایک گندگی ہے چاہے ساری فیکڑیاں دودھ میں پاؤڈر سلا کر، مصالحتوں میں اور دوئوں میں ملاوٹ کرنے لگیں تو بھی یہ بات حق نہیں ہوگی۔ حق اور غلط فیصلہ میں آپ کو فطرت کے اصولوں پر چلنا ہوگا چاہے باطل کے لئے پارلیمنٹ میں اتفاق راء قرار منظور کر کے معاشرہ پر مسلط کیوں نہ کی جائے۔

مجبوری کی حالت میں

فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (الانعام: ۱۴۵)

"اگر کوئی شخص حلال چیز نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو جائے تو حرام چیزوں کو استعمال کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ نافرمانی مقصود نہ ہو اور نہ ہی حد ضرورت سے زیادہ استعمال کرے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار بخشنے والا اور رحمت ولا ہے۔"

اسلام توازن، اعتدال اور فطرت کا دین ہے۔ اس نے زندگی سے موت تک انسان کی ہر طرح رہنمائی فرمائی ہے۔ مشکل اوقات میں اس نے آسانیاں فراہم کی ہیں۔ ایسی ہدایات دی ہیں جو شریعت کے احکام بوجھ نہ بن سکیں۔ یہاں اس آیت میں بھی ایسی ہی ایک رعایت کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ جو شخص تم میں سے کسی مجبوری میں پھنس چکا ہے یہاں لفظ "اضطراد" کا آیا ہے وہ کسی ایسی سخت مجبوری اور ضرورت کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً کسی کو سخت بوکھ ہو، یا کسی ایسی بیماری مین مبتلا ہو کہ اس کے سوا چارہ نہ ہو یا کوئی جابر شخص اس کو موت کی دھمکی دے کہ یہ چیز استعمال کرو تو ان حالات میں یہ شخص حرام چیزیں استعمال میں لاسکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ان چیزوں کے استعمال کو مجبوری قرار دے۔ مزے لے کر نہ کھائے اور نہ ہی ضرورت کے بعد اس کا اعادہ کرے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے اور رحم کرنے والا ہے وہ اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے بلکہ ان کو گناہوں میں شمار ہی نہیں کرتا۔ کیونکہ مشکلات میں آسانی فراہم کرنا اس کی شان کریمی اور رحیمی ہے۔ اور ایک احوال بھی ارشاد فرمایا کہ: الدین یسر "دین تمہارے لئے آسان بنایا گیا ہے" اسکو اپنے لئے مشکل نہ بناؤ۔ اور دین کے معاملے میں لوگوں کو بشارتیں دو ان کو نفرت نہ دلاؤ۔

صاف صاف بات کہو

وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى (الانعام: ۱۵۲)

"اور جب بھی کوئی بات کہو تو انصاف پر مبنی صاف صاف کہو اگرچہ معاملہ تمہارے رشتہ دار کا ہی کیوں نہ ہو۔"

انسان کو اس دنیا میں ایک ذمہ دار شخص بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنی زندگی کھرے انسان کی طرح گذارے کہاں گیا ہے کہ زبان سے کوئی لفظ نکالو اور خاص طور پر کسی فیصلہ کے وقت یا گواہی دیتے وقت، تو اس وقت صداقت اور انصاف کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھو۔ تم کھری کھری بات کہو۔ کوئی جھوٹ، کوئی پیچ داؤ اور زبان کو چبا چبا کر اور خلاف واقعہ بات ہرگز نہ کرو۔ سچ بولنے میں کتنا بھی نقصان پہنچے، آپ کے رشتہ دار تک ناراض ہو جائیں۔ اپنے اور دوسرے غضبناک ہو جائیں تب بھی آپ کی زبان سے جو کلمہ نکلے وہ عین صداقت پر مبنی ہو۔ سچ بولنا ایک ایسا بین الاقوامی اور فطری اصول ہے جس کے حسن اور زیبائش پر پوری کائنات گواہ ہے۔ کسی قوم، کسی معاشرہ اور کسی ملک میں اگر سچ بولنا ایک کلچر کی حیثیت اختیار کر جائے اور زندگی کا ایک بنیادی اصول بن جائے تو وہ معاشرہ نہ صرف پاکباز معاشرہ بن جائے گا بلکہ ہر قسم کی برائی اور فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا۔

بدلہ دینے میں اضافہ

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ (الانعام: ۱۶۰)

"یاد رکھو! جو شخص خدا کے حضور کوئی نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس ایک نیکی سے دس گنا ثواب زیادہ ملے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی بندوں پر رحمت اور کرم نوازی یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ ایک نیکی کرتا ہے تو اس کو دس گناہ زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں۔ ایک نیکی کا اجر اور دوسرا نافرمانی سے بچنے کا مضبوط ارادہ اور اگر کوئی گناہ کا کام کرتا ہے تو اس کا جرم صرف ایک ہی لکھا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی کرم نوازی ہے کہ اگر گناہ پر پشیمان ہو کر سچی دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ بھی معاف کی جاتا ہے۔ نیکی قائم دد گنا اجر کے ساتھ اور گناہ کا خاتمہ! یہ اس لئے کہ اس مغفرت کرنے والے رب کا فرمان ہے کہ: کتب علی نفسه الرحمه "اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا مقرر کر دیا ہے۔"

دنیا میں اہل ایمان کو جیسا کہ امتحان کے لئے تھوڑا سا عرصہ ملا ہے اور وہ اس امتحان گاہ میں اپنا پرچہ حل کرنا شروع کرتا ہے۔ اب وہ اگر صحیح سمت میں چل پڑتا ہے تو اس کی کامیابی کا اعلان ہوتا ہے اور اس سے یہ معاملہ کیا جاتا ہے کہ تھوڑے جوابوں پر زیادہ نمبر مل جاتے ہیں۔ اگر وہ امتحان گاہ میں غلط سمت میں ہی جائے گا۔ اس کے لئے پر عذاب کا ہی انتظام کیا جائے گا۔ مگر اس میں بھی کوئی ناانصافی نہیں ہوگی۔ گناہ اور بغاوت کا اتنا بدلہ جتنا اس نے کیا ہوگا۔ اس نے حق کے معاملہ میں نرمی، سہولت اور داعی حق کے ساتھ حسن اخلاق اور تعاون کا سلوک کیا ہوگا تو اس کا لحاظ بھی قیامت کے دن ضرور کیا جائے گا۔

زمین پر خدا کی خلافت کا حق

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام: ۱۶۵)

”اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر جانشین بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر اعمال کے لحاظ سے مرتبے دیے، تاکہ جو کچھ اختیار تمہیں دیا گیا ہے اس میں آزمائے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار بدعملیوں کی جلد سزا دینے والا ہے۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا رحمت کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا پر انسان کو خلافت عطا کی ہے۔ عربی زبان میں خلیفہ کی معنی یہ ہے کہ وہ شخص اس کا تفویض کردہ امور میں نائب اور جانشین ہو اور ان امور کو اس کی مرضی کے مطابق سرانجام دے۔ انسان کو عقل و شعور دے کر اس کائنات میں اسباب کے تحت بعض امور کو پورا کرنے کا فریضہ سونپ دیا گیا ہے۔ انسانی کو کہا گیا ہے کہ اپنے اوپر اور انسانی معاشروں پر خدا کی حاکمیت کو قائم کرے اور ہدایت الٰہی کے تحت دنیا کا نظم و نسق چلائے۔ اس معاملہ میں انسان میں فرق مراتب بھی رکھا گیا ہے۔ عقل میں کمی بیشی، جحت، بیاری حسن و جمال اور صلاحیتوں کے استعمال میں تفریق وغیرہ ہر چیز کا امتحان اس کی صلاحیتوں کے مطابق لیا جائیگا۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا کہ میں سخت سزا بھی دینے والا ہوں یہ بات مجرمیں اور بغاوت کرنے والون کے متعلق کہی گئی ہے۔ دوسری بات میں بخشنے والا ہوں یہ بات ان لوگوں کے لئے ہے جو گناہ چھور کر اطاعت کی راہ کی طرف آتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ میں بہت بڑا رحم کرنے والا ہوں یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جن لوگو نے خلافت کا مکمل حق ادا کر دیا اور امتحان میں صدفی صد کامیاب رہے۔

قوموں کے لئے بھی ایک مقرر وقت ہے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (الاعراف: ۳۴)

”ہر امت، قوم اور گروہ کے لئے مقرر رشدہ وقت ہے۔ پس جب وہ وقت اس گروہ کے لئے آگیا تو پھر ایک گھڑی بھی نہ پیچھے رہ سکتی ہے اور نہ ہی ایک گھڑی آگے جا سکتی ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں ایک بڑی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ افراد کی طرح قوموں، گروہوں اور جماعتوں کے لئے موت وحیات کے خدائے قوانین مقرر ہیں۔ وہ غیر متبدل قوانین الٰہی ہیں جب کی جماعت یا گروہ کی شرارتیں اور فساد انگیزی حد سے بڑھ جاتی ہے، تو اس کے ہلاک ہونے کا مقرر وقت آن پہنچتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہونے میں ایک لحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی، زمین کو اس گروہ کے ناپاک وجود سے پاک کیا جاتا ہے پھر کسی دوسرے گروہ کو قیامت کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ فسادی گروہ کی یہ فطری ہلاکت فطری موت کی طرح ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا

یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ "اگر تم نے حق سے انحراف کیا اور حق نیابت سے روگردانی کی تو اس منصب سے تم کو ہٹا یا جائے گا اور کسی اور قوم کو اس منصب پر فائز کیا جائے گا۔" یقیناً وہ تم جیسے نااہل نہ ہوں گے۔

دعا کے آداب

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ط اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (الاعراف: ۵۵)

"لوگو! اپنے پرودگار سے دعا مانگو آہ زاری کرتے ہوئے بھی۔ اور پوشیدگی میں بھی، اللہ تعالیٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

دعا عبادت کی روح ہے: "الدعاء مخ العبادہ" اسلام میں دعا غرض مندی اور مطلب کی چیز نہیں ہے کہ آپ یہ تصور کریں کے عبادت کرلی اب اپنے مطلب کی چیز کیا مانگنا! نہیں بلکہ یہ بھی ایک عبادت ہے بلکہ عبادت کا مغز اور عطر ہے۔ دعا کے وقت ہی اصل بندہ کی کیفیت سامنے آتی ہے وہ جس سے مانگ رہا ہے اس کی قدرت، عظمت، سخا، عطا اور مشقت کریمی کا عقیدہ رکھ کر مانگ رہا ہوتا ہے اور ایسے عجز، پس ماندگی، بے کسی، بے بسی اور ایک بندہ لاچار کی حثیت کے ساتھ سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوتا ہے اور کہہ رہا ہوتا ہے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تو ہی ہے سب کچھ عطا کرنے والا، اب مجھے اپنے فضل کے ساتھ عطا کیجئے، کرم کیجئے اور شفقت فرمایئے! تو دیکھیں کہ یہ دعا کتنی بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت دیکھتا ہے کہ بندہ کب مجھ سے مانگتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کی جھولی کو بھر دوں اور عنایات سے مالامال کردوں۔

الله یغضب حین ترکت سواله
والناس یغضبون حین یسئلو

"اللہ تعالیٰ تو اس وقت ناراض ہوتے ہیں جب آپ سوال کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور انسان اس وقت ناراض ہوتے ہیں جب ان سے سوال کیا جاتا ہے!"

اکبر الہ آبادی نے کتنا سچ کہا ہے کہ:

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

مغفرت کی امید

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ (الاعراف:۱۶۰)

"پھر ان لوگوں کے بعد ناخلفوں نے ان کی جگہ پائی اور کتاب الٰہی کے وارث بنے وہ دین فروشی کرکے اس دنیا سے حقیر متاع لے لیتے ہیں کہ اس کی تو ہمیں معافی مل جائیگی۔"

ہر نبی کی امت کے ساتھ یہی صورتحال رہی ہے کہ ابتدا میں اس امت میں اچھے اور نیک لوگوں کی کثرت رہی وہ لوگ خدا کی عبادت اوراطاعت میں مصروف رہے اور مخلوق خدا کے ساتھ خدمت اوراحسان کارویہ رکھتے رہے۔ مگر وقت گذرنے کے بعد دین پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوتی گئی۔ بنیادی تعلیمات سے انحراف کرناشروع ہوا۔ دنیا کی محبت، دولت کا ارتکاز اور عیاشیوں میں زندگی گذارنا معمول بنتا گیا۔ پھر چند رسموں اور نمائشی اعمال کی حد تک دین رہ گیا کچھ دن مقرر کرلئے گئے اوران دنون میں اپنے بزرگوں کی مدح سرائی محفلیں سجانا اور مل کر کھانے پکانے اور کھانا تقسیم کرنے کو اپنے بزرگوں کی رضامندی سے جوڑدیا گیا۔ اس کا نام نذر، نیاز رکھا گیا، اس طرح سالانہ میلے ٹھیلے، عرس منعقد کرنے کو دین کا تقاضا سمجھا گیا اور پھر علماء اورذاکرین کا ایک ٹولہ تیار ہوا جو جاہلوں سے دولت سمیٹنے میں لگ گیا۔ دولتمند مغفرت کے سہارے کے لئے اس طرح کے غیر معقولی اجتماعات کے لئے مال خرچ کرتے رہے اور عوام آسروں اورامیدوں پر ان حرکتوں کو دین کے نام پر قبول کرتے گئے۔

قرآن مجید نے آگاہ کیا کہ پہلی امیتں بھی اس طرح گمراہ ہوئیں اوراپنی خواہشات کو دینداری کالباس پہنا کراصل دین سے ہٹ گئے۔ امت مسلمہ کو ان نامعقول حرکتوں سے بچنا چاہیئے افسوس کہ آج سارے علماء اور دینداری کے لباس میں پھرنے والے درویش لوگ اسی یہودی کردار کو اپنا ہوئے ہیں۔ دولتمند سے دنیا طلبی میں دین کی ایسی تاویلیں کرتے پھرتے ہیں کہ ان کو ناجائز اور صریح حرام کام بھی جائز کردیتے ہیں۔ دین کو سرمایہ داروں کے مزاج کے مطابق بناکر پیش کیا جاتا ہے کہ تاکہ حقیر دنیا حاصل ہوجانے اور پھر سمجھتے ہیں کہ آخرت میں یہ بھی گناہ معاف کیا جائے گا۔ توبہ کرلیں گے شفاعت ہوگی اور معافی مل ہی جائیگی۔

دشمن کا مرعوب ہو جانا

سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ (الانفال:۱۲)

"عنقریب ایسا ہوگا کہ میں کافروں کے دلوں میں مؤمنوں کی دہشت ڈال دوں گا۔"

اہل ایمان کی نصرت اور مدد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں میں تمہاری دہشت ڈال دے، اس کے مختلف طریقے ہیں۔

۱۔ آپ کے حوصلوں اور جذبوں کو دیکھ کر ان کی دلیں ٹوٹ جائیں

۲۔ آپ کی ثابت قدمی، قربانی اور نظم وضبط دیکھ کر وہ مقابلہ سے دستبردار ہو جائیں

۳۔ مسلمانوں کے نظریہ کی صداقت اوراپنے نظریہ کی پائمالی دیکھ کر وہ ہمت ہار جائیں۔

فتح مکہ کے مرتبہ پر جب سرکار رسالت مآب ﷺ اچانک مکہ کے قریب پہنچ گئے اور پہاڑیوں پر مسلمانوں کے پھیلا دیا اور فرمایا کہ ہر چند لوگ الگ الگ آگ جلا کر کھانا تیار کریں۔ جب رات کے وقت قریش مکہ نے پہاڑیوں پر آگ کے بلند شعلے دیکھے اور میلوں میں پھیلا ہوا لشکر دیکھا توان کے حوصلے ٹوٹ گئے

اور مسلمانوں کا دس ہزار کا لشکر لاکھوں کی تعداد میں نظر آنے لگا۔

حضرت عباس بن عبد المطلب جو حضور کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے شریک سفر تھے اور وہ اسی دن مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ مکہ پہنچ کر ابو سفیان کو ملے اور کہا کہ چلو اس لشکر کا معائنہ کریں۔ اس طرح ابو سفیان کو حضور کریم ﷺ کے خیمہ میں لے کر آئے۔ اب ابو سفیان ہمت ہار چکا تھا اور اپنے نظریہ کی پائمالی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا سرور کائنات ﷺ نے ابو سفیان سے پوچھا کہ جن بتوں کو پوجتے تھے اور اپنا مددگار سمجھتے تھے اب ان کے متعلق کیا خیال ہے؟ ابو سفیان نے بلا توقف کہہ دیا کہ آپ کا نظریہ درست تھا ہمارا غلط نکلا۔ آج ہم پر جو مشکل وقت پڑا ہے اگر ان میں کچھ قدر بھی طاقت ہوتی تو ضرور ہماری مدد کرتے، ہم نے ساری عمر ان کے لئے کھپا دی۔ لڑتے رہے مگر آج یہ سہارے کسی کام نہ آئے۔

اسی طرح ان کی بیوی ہندہ جب مسلمان ہو کر اپنے گھر گئی تو اپنے بتوں کو گراتی گئی اور توڑتی رہی اور کہتی جاتی کہ اتنا فریب! اتنا دھوکہ! تم تو کچھ بھی نہیں ہو! ہم خواہ مخواہ تمہیں پوجتے رہے تم میں تو ذرا برابر بھی قوت نہیں ہے!

ناکامی کا سبب۔ انتشار

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ (الانفال:۴۶)

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ایسا کرو گے تو تمہاری قوت کمزوری میں بدل جائیگی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ اجائے گی۔ ہر قسم کی شکل اور مصیبت کے وقت ثابت قدم رہو۔ اپنے موقف پر قائم رہنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔"

کسی بھی بنیادی نظریہ کی کامیابی، اس نظریہ کے ماننے والوں کی، آپس میں، اجتماعی وحدت، سے پیدا ہوتی ہے۔ جب کہ انتشار جدا جدا ہو جاتا۔ آپس میں خلفشار، حسد اور رقابت کے رویے، عزت احترام کے جذبات کے مفقود ہو جانے سے وہ جماعت ٹکڑوں میں بٹ کر اپنی قوت سے محروم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اس نظریہ بھی نیست و نابود ہو جاتا ہے اس کا غلبہ زمین پر نہیں ہوتا۔ پھر چاہے اس نظریہ کی پرچار وہ لوگ انفرادی خانوں میں کرتے بھی رہیں مگر معاصر دنیا میں نظریہ غالب نہیں ہو گا۔

قرآن مجید اس بنیادی حقیقت کا واضح اظہار فرما رہا ہے کہ حق کے غلبہ اور اسلام کے نفاذ میں نظریہ کہ کمزوری کا دخل نہیں ہے بلکہ اس ذلت وزوال کا سبب تمہاری ذاتی کمزوریاں ہیں۔ آپ لوگ ذاتی اخلاقیات کو بلند کریں۔ آپس میں کامل اتحاد، ایثار، قربانی، حسن سلوک کا رویہ اختیار کریں تو تم اس دنیا میں بھی جلد اپنی منزل حاصل کر سکتے ہو "وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ" دور حاضر میں امت کا زوال کیوں ہے؟ کیوں کر انہوں نے کفار و مشرکین کی سیاسی اور معاشی غلامی اختیار کر رکھی ہے؟ سبب سب جانتے ہیں کہ وہ انانیت، حسلہ اور دنیا کے مفادات سمیٹنے کی خاطر آپس میں برسرپیکار ہیں اور کفار سے اندرونی تعلقات رکھے ہوئے ہیں۔

عقل وشعور۔ انعام خداوندی

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

(الانفال: ۲۹)

"اے اہل ایمان! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو اس کی نافرمانی سے بچو! تو وہ تمہارے لئے حق وباطل میں امتیاز کرنے والی ایک قوت پیدا کرے گا اور تم سے بڑائیاں دور کرے گا۔"

جس طرح اللہ تعالیٰ کفار اور مشرکین کو کبر اور غرور کے سبب ہدایت سے محروم کر دیتا ہے تو اس کے مقابلہ میں ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والے بندوں کو، اپنے کردار کی پختگی اور نفس پر کنٹرول کرنے کی وجہ سے ان میں "فرقان" پیدا کرتا ہے۔

یعنی فہم، فراست، عقل وشعور کو درست طور پر استعمال کر کے حق کو حق سمجھنا اور باطل کو باطل جاننا۔ حق اور باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت، ارادہ واختیار کو خدا پرستی اور مخلوق خدا کی خدمت میں استعمال کرنے کی صلاحیت سے بہر ور ہونا۔

عقل اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اس نعمت سے خدا کی معرفت حاصل کرنا اور اطاعت کی راہ کو اختیار کرنا یہ عقل کا درست استعمال ہے اور نعمت کی شکر گذاری ہے مگر دنیا بھی حقیر چیز مقصود سمجھنا۔ فانی اور عارضی چیز پر اس قدر مگن ہو جانا کہ بلند اقدار سے بھی انسان اپنے آپ کو محروم کر دے۔ جب کہ وہ خود بھی دیکھ رہا ہے کہ دولت، اختیار اور اقتدار کس قدر جلد ان سے بے وفائی کریں گے۔ اور وہ خود ان سے جدا ہو کر اور جہاں کی طرف سفر کرنے والا ہے تو یہ عقل کا غلط استعمال ہوا کہ یہ اتنی آسان بات بھی سمجھ نہیں سکا کہ میں خدا کو چھوڑ کر جس دنیا کو اپنی منزل قرار دیتا رہا وہ کس قدر بے وفا تھی۔

انسان میں "فرقان" ایمان اور تقوی سے پیدا ہوتا ہے جس شخص سے تمیز سلب کی گئی تو وہ ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گیا۔ پھر اس کی لیول بے شعور جانوروں کی حد تک آگئی۔ اب وہ انسان ہو کر نہ زندہ رہا نہ ہی اس کی موت باشعور انسانوں جیسے ہوئی! جانوروں کی زندگی اور جانوروں کی موت اس کا مقدر ہوا۔

نعمت کی تبدیلی کا سبب؟

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

(الانفال: ۵۳)

"اور یہ بات طئی ہے کہ اللہ کا یہ مقرر قانون ہے کہ جو نعمت وہ کسی گروہ کو عطا فرماتا ہے، اسے پھر کبھی نہیں بدلتا جب تک کہ خود اسی گروہ کے افراد اپنی حالت نہ بدل لیں۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف کسی نعمت کا سلب ہونا، ایک دستور اور سنت الٰہی کے مطابق ہے یہ جس طرح قوموں کے لئے ہے ٹھیک اسی طرح کسی ایک انسان کے لئے بھی ہے۔ کوئی ایک شخص یا پوری قوم انفرادی

جا اجتماعی کردار کے سبب نعمت کی وسعت یا نعمت سے محرومی کا سبب بن سکتی ہے۔ کسی قوم کو اقتدار دیا جاتا ہے۔ آزاد ریاست کا حکمران بنایا جاتا ہے۔ پھر وہ قوم اگر عدل وانصاف قائم کرتی ہے، رعایا کو خوشحال رکھتی ہے۔ قانون کے نفاذ میں سب کے ساتھ برابر کا سلوک کرتی ہے۔ معاشی وسائل انصاف کے ساتھ سب میں تقسیم کرتی ہے تو ایسی ریاست مضبوط اور مستحکم ہو جائیں گی اور ایسی قوم کو مزید وسائل سے مالا مال کیا جائے گا۔ مگر اس کے برعکس اگر ظلم وجبر اور معاشی رسائل میں استحصال کی روش اپنائی جائیں گی تو لوگ اس ریاست سے متنفر ہو جائیں گے۔ اور رعایا ہی اٹھ کر اس ریاست کو نیست ونابود کرنا شروع کریں گے۔ پھر ازادی اور خوشحالی سے ایسی ریاست محروم ہو جائیگی انسان غلام بن کر ذلت اور بربادی کا شکار ہو جائینگے۔

دنیا کی قوموں کے عروج وزوال پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو یہ حقیقت ہر جگہ نظر آئے گی اور سنت الٰہی ہر قوم کے ساتھ لہٰذا زمین محسوس ہو گی! "حتی یغیرو" اگر دوبارہ اس عروج پر فائز ہو جا چاہیتے ہو تو اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو قومی اوصاف کو جنم دو۔ یقین، ایثار، وحدت اور بہادری ان اوصاف کا ہونا قوی انقلاب کے لئے لازمی امر ہے۔

مال اور دولت کی واپسی

وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ (الانفال: ۶۰)

"یاد رکھو! اللہ کی راہ میں جہاد کی تیاری میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا۔"

قرآن مجید انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ جو کوئی مومن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے خاطر اپنا مال خرچ کرتا ہے، چاہے وہ جہاد میں خرچ کرے یا غریبوں اور مسکینوں کی حاجات کو پورا کرنے میں صرف کرے، تو اس کو اس کے بدلہ میں بہت کچھ دیا جائے گا۔ اس کو کبھی بھی رزق میں تنگی پیش نہیں آئے گی "یربی الصدقات" دینے والے کو مزید دیا جائیگا اور روکنے والے بخیل سے وہ بھی چھین لیا جائے گا۔ جو انسان خدا کے حقوق اور بندوں کو ضروریات میں دولت کو خرچ نہیں کرتا بلکہ حب دنیا میں صرف جمع کرنا اور اس کو شمار کرنے میں لگا رہتا ہے تو اس کو بالآخر دنیا میں ذلت کے ساتھ مفلسی کا مزہ بھی چکھایا جائے گا۔ تجربہ یہ ہے کہ بندوں کے مصائب اور تکالیف دور کرنے میں جو مال لٹایا جاتا ہے اس سے انسان کو سکون قلب ملتا ہے اور ایک خاص قسم کی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اگر کوئی اس نسخہ پر ایک دفعہ عمل کرنا چاہے اور تجربہ کرنا چاہے تو پھر وہ ساری عمر مال تقسیم کرنے میں لگ جائے گا۔ پھر روک بھی دیا جائے تو وہ لڑنے کے لئے آمادہ ہو گا۔ رب العٰلمین کی صفت "عطا اور سخا" کا مظہر بن جانے میں جو مومن کو سرور اور کیف حاصل ہوتا ہے اس کا بخیل اور کنجوس تصور بھی نہیں کر سکتا۔

دولت تقسیم کرنا۔ ایک عبادت ہے

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ (التوبہ: ۱۰۳)

"اے پیغمبر! ان لوگوں کے مال سے صدقات قبول کرو۔ صدقات لے کر بخل و طمع کا برائیوں سے پاک کرو۔ نیکوں کی ترقی کے ذریعہ ترتیب یافتہ گروہ تیار کرلو۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے حکم فرمایا ہے کہ انسانوں کی فلاح و بہود کے لئے مسلمانوں سے ان کی دولت کا ایک حصہ لے لو اسلام میں اس کو مالی عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن میں اس کو "انفاق فی سبیل اللہ" بھی کہا گیا ہے۔ مال خرچ کرنے سے دولت کی محبت، نفس کا غرور، انانیت اور حسد و لالچ کے جراثیم فنا ہو جاتے ہیں۔ انسان کی روح کو تازگی اور بالیدگی ملتی ہے ریاست پر واجب ہے کہ معاشرے کہ غربت اور افلاس کو مٹانے کے لئے دولتمندوں سے کبھی زیادہ اور کبھی کم، جیسی جیسی ضرورت متقاضی ہو، دولت حاصل کر سکتی ہے اور اس دولت سے معاشرہ میں اعتدال، توازن اور عدل اجتماعی قائم ہو گا۔ مگر اہل ایمان کو عام طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں پھیل جائیں خوب خوب رزق حلال کمائیں۔ اس سے اپنے اور زیر کفالت افراد کی حاجات کو پورا کریں۔ پھر اپنی ضروریات سے زائد مال جو بھی آپ کے ہاں موجود ہو وہ دوسرے محروم اور پسے ہوئے افراد کی تکالیف دور کرنے پر خرچ کرتے رہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۔ قُلِ الْعَفْوَ ۔ "اے پیغمبر تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا مال خرچ کریں؟ آپ ان کو کہہ دیں کہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد پھر سارا مال، اس مالک مہربان، عطا کرنے والے رب العٰلمین کے نام پر اس کو خوش کرنے کی خاطر غریبوں، مسکینوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کردو۔" مال رکھنا کیا، جمع کرنا کیا؟ حب دنیا میں آکر اس کو شمار کرنا کیا؟ آپ چند دنوں کے لئے یہاں آئے ہو! جلد ہی دنیا کو چھوڑ کر اصل جہاں کی طرف اٹھنا ہے۔ تو پھر اس جہاں کی فکر کرو اور اس کو اپنی منزل قرار دو یہاں کی فکر میں کیوں مبتلا رہتے ہو؟ کتنا بھی جمع کرلو۔ اچانک موت آنے کے بعد ایک دانہ بھی اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے ہو! پھر دولت کے ساتھ اتنی وابستگی کیوں؟

ایمان؟ کامل وابستگی

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ: ۱۱۱)

"بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی خرید لیا اس قیمت پر خرید لیا کہ ان کے لئے بہشت ہو گا۔"

ایمان کو خرید و فروخت کی مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ تجارت میں ایک چیز خریدی جاتی ہے اور پھر اس کا بدلہ اس کو دیا جاتا ہے۔ ٹھیک ایمان کا لانا بھی اس طرح کا معاملہ ہے۔ ایمان لانا یہ ہے کہ آپ نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ چیز خرید کر کے اس کے بدلہ میں آپ کو بہشت عطا فرمائیں گے۔

اس طرح ایمان یہ ہے کہ آپ کی کامل وابستگی اور مکمل سپردگی خدا کے ساتھ ہے یہ صرف زبانی قول و قرار کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ صرف چند جملے زبان سے ادا کرنے سے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ یہ مکمل حوالگی ہے اللہ کے حضور میں!

کسی نظریہ کے ساتھ آپ کی سنجیدگی کو دیکھا جاتا ہے کہ آپ اس نظریہ سے کس حد تک سنجیدہ ہیں۔ اوراسی سنجیدگی سے ہی اس شخص کی قدر قیمت متعین ہوتی ہے۔ کوئی شخص اگر کسی نظریہ سے سنجیدہ ہے تو اپنے تمام کاموں پر اس کو ترجیح دے گا۔ نظریہ کے لئے مال و دولت کی ضرورت ہو گی تو اپنا سار امال حوالے کر دے گا۔

جان کی ضرورت پیش ہو گی تو دوڑتا ہوا پہلی صف میں کھڑا ہو گا اور شہادت کو اپنے لئے سعادت عظمیٰ تصور کرے گا۔ یہ ہے وہ بلند مقام جس پر اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو دیکھنا چاہتا ہے یہی مؤمن خدا کو مطلوب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی کائنات میں سب سے عظیم ترین نعمت اور بلند مقام تقرب الٰہی جو تیار کیا گیا ہے وہ بہشت ہے۔ یہ نعمت ایسے ہی مخصوص اور مطلوب انسانوں کو عطا کی جائیگی۔ مگر یہ انعام نقد اور فوری نہیں ہے اس میں تھوڑ ساعرصہ لگے گا۔ مگر کچھ بے صبر، جلد باز اور فوری انعام لینے کے خوہشمند انسان جلدی کرنے میں لگ جاتے ہیں اور عارضی، فانی اور حقیر چیزوں پر فریضہ ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگ بہشت کی نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

کائنات کی تخلیق۔ شعوری منصوبہ

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (یونس:۳)

"اے لوگو! تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا ہے (چھ معین زمانوں میں) پھر اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا وہی تمام کاموں کا بندوبست کر رہا ہے۔(تخلیق اور فرمانروی اس کی ہے) اس کی حضور میں کوئی شخص بھی سفارش نہیں کر سکتا۔ مگر یہ کہ وہ خود اس کی اجازت دے۔(اجازت کے بغیر کوئی جرأت نہیں کر سکتا) یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، پس اس کی ہی بندگی کرو۔ کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟"

کائنات میں ہزاروں چیزیں پیدا کی گئی ہیں مگر ان کا ظہور ایک ہی وقت میں نہیں ہوا بلکہ تدریجی طور پر یکے بعد دیگر پید ہوتی چلی گئی ہیں۔ قرآن مجید اس کو چھ ادوار کا نام دیتا ہے۔ چھ ادوار میں کائنات کی تخلیق خود بتا رہی ہے کہ یہ پیدائش شعوری اور منصوبہ بندی کے تحت ہے۔ کس چیز کو کس وقت میں ظاہر ہونا چاہیئے پھر اس کا نتیجہ کیا نکلنا چاہیئے یہ عمل بتاتا ہے کہ دنیا کہ نظام ایک غیر متبدل قوانین کے تحت بنایا گیا ہے۔ ہر چیز وہ عمل کر رہی ہے جو اس کو مجموعی طور پر اس نظام میں کرنا چاہے اور نظام کی ضروریات کے مطابق وہ عمل میں معروف ہے۔ یہ بات ثابت کر رہی ہے کہ اس کائنات کا ایک واحد مدبر اور منتظم ہے، جو ہر لمحے اس کا انتظام کر رہا ہے **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ** "ہر دن ہر وقت وہ ایک نئی شان کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے اور مقرر اندازہ سے ظہور پذیر ہے۔" اس کے بعد یہ نظام کائنات انصاف پر مبنی ہے جس کو ملتا ہے جس سے چھین لیا جاتا ہے وہ انصاف کے تحت ہے آخرت میں بھی جزا اور سزا انصاف کے ساتھ ملے گی۔ دنیا میں کبھی سرکشی کا بدلہ نہیں

لیا جاتا۔ اور نیکی کرنے والے کو اجر نہیں ملتا۔ اس لئے کہ خدا انصاف کا اصل ظہور آخرت میں ہو گا۔ آخرت کا آنا اتنا یقینی ہے جتنا دنیا کا ظہور یقینی نظر آرہا ہے۔

خدا کی ملاقات سے ناامید لوگ

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا (یونس: ۷)

"جو لوگ مرنے کے بعد ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے، صرف دنیا کی زندگی میں ہی مگن ہیں اور اس حالت میں مطمئن ہو گئے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات کے لئے ایک دن مقرر فرمایا ہے۔ جن لوگوں کو اس ملاقات کے دن کا انتظار نہیں ہے یا اس خدائی ملاقات کو کوئی بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہی ہیں اور یہ لوگ اس دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے بلکہ دنیا کی عیاشیوں پر ایک طرح سے مطمئن ہو چکے ہیں تو پھر یہ لوگ خدا کے دردناک عذاب کا انتظار کریں اور جہنم کا عذاب ایسے ہی لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

اللہ پر ایمان، ایک طرح کا اللہ سے رابطہ کرنا ہے۔ اور ایمان کی معنیٰ گویا کہ اللہ کی دریافت ہے۔ آپ نے اللہ کو پالیا ہے۔ آپ کو ایک عظیم شی مل گئی ہے۔ اس کے بعد آپ ایک دلیل اور برہان سے مربوط ہو گئے ہیں۔ پھر آپ کو نہ خوف نہ غم آپ درست سوچ کے ساتھ منزل تک پہنچ سکتے ہیں، کبھی بھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ خدا کو ماننا کوئی کتابی فلسفہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک زندہ حقیقت کو تسلیم کرنا ہے۔ پھر اس سے ملاقات کی آرزو، تمنا اور وصال کی تڑپ رکھنا ایک حقیقت کبریٰ کے ساتھ عظیم ترین سعادت بھی ہے۔ انسان کو ہر لمحہ اس کے لئے تیار ہونا چاہیئے اور بے پناہ لذت انتظار بھی رکھنی چاہیئے۔

ہمارے پیغمبر ﷺ اس دنیا سے الوداع کرتے ہوئے آخری الفاظ جو ان کی زبان مبارک پر تھے وہ یہی تھے۔ الھم بالرفیق الاعلیٰ "الٰہی اب تو آپ کا وصال اور قرب چاہتا ہوں"

ہلاکت کا بنیادی سبب

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا (یونس: ۱۳)

"اور تم سے پہلے کتنی ہی امتیں گذر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کی راہ ختیار کرلی تو ہم نے انہیں پاداش عمل میں ہلاک کر دیا۔"

جتنے انبیاء علیہم السلام مختلف قوموں کی طرف خدا کا پیغام لے کر آئے تو ان کی دعوت کی بنیاد دلیل پر ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور ان کو واحد معبود برحق تسلیم کرنے کا معاملہ دلائل کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔ جو شخص ان دلائل کی بنیاد پر ایمان نہیں لاتا تو وہ ان دلائل کا انکار کر کے گویا خدا اور سول کے ساتھ کفر کر رہا ہے۔ معجزے تو دلائل کے بعد دکھائے جاتے ہیں، جو آخری حجت الٰہی ثابت ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد اجتماعی ہلاکت اور عذاب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ نبوت کو دلیل سے نہ ماننا انسان ک بڑی کمزوری رہی ہے

۔ ہر نئے پیغمبر کو اپنا جیسا سمجھ کر نہی ماننا اورانکو خدا کا نمائندہ یارسول تسلیم نہ کرنا انسانوں کی عادت رہی ہے۔ مگر جب اس پیغمبر کے ساتھ تاریخی کمالات وابستہ ہو جاتے ہیں اوراس کی شخصیت ایک قومی حیثیت میں تبدیل ہو جاتی ہے تو بعد میں آنے والوں کے لئے ان پر ایمان لانا کچھ مشکل مسئلہ نہیں رہتا۔ بلکہ پھر تو نبوت اور رسالت سے بہت آگے بڑھ کر ان کو خدائی اختیارات میں کرنے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ پیغمبر کو دلیل کی بنیاد پر ماننا چہاہے۔پیغبر کو قومی اور تاریخی حیثیت سے ماننا خدا کو مطلوب نہیں ہے۔

سفارش کا سہارا

وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ (یونس: ۱۸)

"یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی بندگی اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں۔"

اس دنیا میں جو واقعات ظہور پذیر ہورہے ہیں ان میں مادی اسباب نظر آتے ہیں مگر درحقیقت ان واقعات کے پیچھے خدا تعالیٰ کا تصرف کام کرتا ہوا ہوتا ہے۔ اس دنیا میں کسی کو بھی ذاتی اختیار حاصل نہیں ہے۔ توحید یہ کہ کے انسان غیب کے پردہ میں مخفی حقیقت کو اپنا معبود تسلیم کرلے۔ اس کے مقابلہ میں شرک یہ ہے کہ انسان ظاہری اشیاء میں الجھ کر، ان کو پیدا کردہ چیزوں کو، پیدا کرنے والی مقدس ذات کا رتبہ دینا شروع کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق میں سے کسی بھی زندہ یامردہ شخصیت کو ایک تنکے جتنا بھی نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کو کسی قدر بھی قوت اور طاقت حاصل ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے پر اس کی توجہ صرف خدا تعالیٰ کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ وہ اسی کی بندگی کرے گا۔ اس سے امید اوراس کا خوف رکھے گا۔ اپنے آپ کو اس کے حوالے کرے گا۔ مگر جو شخص دنیا کی مظاہر اور بزعم خود کسی چیزوں کی قوت میں پھنس کر، اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی نہ کسی کو اپنے نفع اور نقصان کا مالک سمجھنے لگے گا تو وہ بہت سارے معبودوں کی بندگی میں پھنستا چلا جائے گا۔ پھر وہ ہر جگہ، " المدد فلاں المدد فلاں " کی بھول بھلیوں میں آکر خدا سے دور ہٹتا جائے گا اور بہت سارے معبودوں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوکر ان کی غلامی میں جکڑ جائے گا۔ اس حالت میں پہنچ کر وہ قیامت کے دن ہولناک مناظر سے بچاء کے لئے بھی جعلی معبودوں کی سفارش کے سہارے پر یقین رکھے گا اور یہ امید کرتا رہے گا کہ میں کتنے بھی گناہ کرلوں، کیسی بھی زندگی گذارلوں، میرے لئے یہ مقدس شخصیات اس دن موجود ہوں گی اور مجھے عذاب الٰہی سے بچالیں گی۔

دنیا کی زندگی۔ چند لمحات

لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ (یونس:۴۵)

"اس دن انہیں ایسا معلوم ہو گا گویا دنیا میں اس سے زیادہ نہیں ٹھیرے جیسے گھڑی بھر دن کی۔ ایسے کہ کچھ لمحے مل لیے اوراسلام ودعا کرلیا۔"

اس دنیا میں انسان کو آخرت کی زندگی سامنے نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کی چیزیں اپنی تمام تر کشش کے ساتھ موجود ہیں۔ اس لئے انسان آخرت کو بہت دور کی چیز سمجھ رہا ہے اور دنیا کے متعلق اس کا خیال ہے کہ یہاں تو رہنا ہی رہنا ہے۔ جب آخرت کا دن اچانک اس کے سامنے ظاہر ہو گا۔ اس دن کی ہولناکیاں آنکھوں سے دیکھ لے گا، تو دنیا کی سرکشی اور نافرمانی والا ماحول ایسا بھول جائے گا کہ کہہ بیٹھے گا کہ دنیا میں تو میں نے چند گھڑیاں ہی گذاری تھیں۔ آخرت کی ان دیکھی دنیا قائم نہیں ہو گی بلکہ جانی پہچانی دنیا میں واقع ہو گی۔ سب جاننے والے لوگ اس کے سامنے ہوں گے۔ ان کو یہ شخص اور وہ اس کو جان رہے ہوں گی۔ اور یہ بھی دیکھ لے گا کہ سرکشی کرنے والے تمام ساتھی اور سرکردہ لوگ جن میں ان کو بہت امیدین اور آسرے تھے وہ سب کے سب ان سے بیزار ہوں گے۔ دنیا کی صورتحال بھی سامنے آجائیگی اور اس بھرپور زندگی کو جو گذار کے آیا ہے، چند لمحے تصور کرے گا بلکہ دن کا ایک لمحہ۔

اس دنیا میں حق کا داعی کسی قوم میں بھیجا جاتا ہے۔ داعی اور مخاطبین کا معاملہ تو اس دنیا میں پس پیش آتا ہے مگر اس کا حقیقی فیصلہ آخرت میں ہی رکھا گیا ہے۔ کبھی کبھی جزوی طور پر دنیا میں بھی قیامت برپا ہوتی ہے کہ داعی حق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور منکرین کو اجتماعی طور پر ہلاکت سے دوچارہ ہونا پڑتا ہے۔ یہ اس لئے تاکہ دوسرے منکرین تاریخ کے ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

فرعون کی لاش

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (یونس: ۹۲)

"پس آج ہم ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو سمندر کی موجوں سے بچالیں گے، تاکہ ان لوگوں کے لئے جو تیر بعد آنے والے ہیں قدرت حق کی ایک نشانی ہو۔ اور اکثر انسان ایسے ہیں جو ساری نشانیوں کی طرف سے یک قلم غافل رہتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں مصر کے حاکم، اس فرعون کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں گذرا ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے تعاقب میں دیائے نیل میں غرق ہوا۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ آج کے دن تیری لاش کو غرق ہونے کے بعد محفوظ کریں گے تاکہ تیری لاش دنیا کے لئے عبرت کا نشانہ بن کر رہے۔ لوگ یہ بات دیکھیں کہ خدا کے جھوٹے دعویداروں کا انجام کیا اور کس طرح ہوا؟

قرآن مجید نے یہ بات کہی کہ فرعون کی لاش کو محفوظ کیا گیا ہے تو ایک طویل زمانے تک اس کا اندازہ نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ اس کے انکشاف کا ایک وقت مقرر کیا گیا تھا۔

آج سے تقریباً ایک سو تیس برس پہلے ۱۸۸۱ء میں قدیم مصری قبرستان کی کھدائی کی گئی تو آثار قدیمہ کے انگریز ماہروں کو ایک پتھر کی صدوق ملی تو اس میں پانچ لاش قدیم سائنٹیفک نمونے سے محفوظ ملے اور ہر ایک لاش پر تختی لگی ہوئی تھی جس میں سے ایک لاش اس فرعون مصر کی بھی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ

السلام کے دور میں تھا۔
آج یہ لاش مصر کے تاریخی میوزم میں موجود ہے اور دیکھنے والوں کے لئے عبرت کا سامان مہیا کیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید کی ہر دعویٰ صداقت سے معمور ہے۔ اگر کوئی بات مخفی ہے تو جلدی نہ کی جائے۔ وقت آئے گا کہ وہ حقیقت بن کر سامنے آجائیگی۔

ناپ اور تول میں کمی

وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ (ھود: ۸۵)

"اور اے میری قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں ان کے حق سے کم ادا کرنہ کرو ملک میں اپنے عمل سے فساد نہ پیدا کرو۔"

مدینہ میں تاجر پیشہ قوم آباد تھی۔ اس میں حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا ان میں شرک کے مرض کے علاوہ ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی تھی کہ وہ لوگ تجارت میں سخت بد دیانتی کرتے تھے۔ ناپ اور تول میں کمی اور بیشی کرتے تھے۔ کسی کو کچھ دیتے تھے تو اس میں کمی کر دیتے تھے اور کسی سے لیتے تھے تو اس سے زیادہ لے لیتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی برادری کو ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ ان حرکتوں سے باز آجاؤ اس سے تمہارے معاشرہ میں ظلم وزیادتی پھیل جائے گی اور سوسائٹی عدل سے محروم ہو جائیں گی۔

مذہب کے متعلق عام تصور یہ ہے کہ اس میں صرف بندگی اور پرستش پر وزور دیا گیا ہے دنیا کے معاملات اس کے دائرہ میں نہیں آتے۔ مگر قرآن مجید اس طرح کی مذہبیت کو غلام قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید اسلام کو مذہب نہیں بلکہ دین قرار دیتا ہے۔ دین نام ہے زندگی کا مکمل ضابطہ حیات، جس میں زندگی کے تمام شعبے آجاتے ہیں۔ جس طرح سورج اپنی روشنی سے پوری زمین کو لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس طرح اسلام اپنی ہدایات سے پوری زندگی کو اپنے احاطہ میں لیتا ہے۔ زندگی کا کوئی عمل اسلام کی ہدایت سے باہر نہیں ہے۔ تجارت میں تو بڑی واضح اور عادلانہ ہدایات دی گئی ہیں۔ فرمایا کہ: "صداقت شعار اور امانتدار تاجر قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ ہو گا۔"

اس قوم پر عذاب اس لئے مسلط ہوا کہ وہ تاجرانہ بد دیانتی کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ جو معاشرہ ظلم، ناانصافی اور بد دیانتی سے محفوظ نہیں ہے وہ مسلم معاشرہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

سکون قلب کا ذریعہ

اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (الرعد: ۲۸)

"آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ یاد کرنے سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔"

دنیا کا ہر انسان جو اس زمین پر آباد ہے وہ حقیقی خوشی کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے۔ اس کی تمام مرادیں اس نکتہ پر مرتکز ہوتی ہیں۔ کوئی چاہتا ہے کہ مال، دولت کی کثرت سے خوشی حاصل کرلوں، کوئی اقتدار اور اختیار حاصل کر کے خوشی حاصل کرتا ہے۔ کوئی پلاسٹک سرجری کے ذریعہ اپنے آپ کو حسین بنا کر مسرت حاصل کرتا ہے۔ کوئی یونیورسٹی میں داخلہ لے کر، ڈگری حاصل کر کے باوقار سروس لینے پر فخر محسوس کرتا ہے۔ جب ان لوگوں کے یہ مقاصد پورے ہو جاتے ہیں تو ان کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ عام طور پر عارضی اور تھوڑے وقت کے لئے ہوتی ہے۔ پھر کچھ اور پریشانیاں سامنے آتی ہیں۔ شادی کا انتظار، آئیڈیل کی تلاش، پھر نرینہ اولاد کی آرزو، یکے بعد دیگر بیماریاں، علاج، آپریشن، اب تک سکون نہ ملا اور پریشانیاں بڑھتی ہی گئیں۔ بالآخر بڑھاپا، کمزوری، ہمیشہ کے لئے خوشیوں سے رخصت، سکون قلب اور اطمینان والی کیفیت کب آئی ؟ کتنا وقت رہی ؟ اور پھر کب رخصت ہوگئی ؟ قرآن مجید بتاتا ہے کہ اے انسان تم بھولے ہو! تو ایسی چیزوں میں سکون قلب تلاش کرتے ہو جہاں اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ پوری زندگی پریشان رہو گے جب تک تم اس راز کو نہیں پاؤ گے کہ سکون قلب کہاں رکھا گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی محبت، عظمت اور کبریائی میں اپنے آپ کو فنا کر دینے، کائنات کی تخلیق، آیات اور اس نظام میں شب و روز تفکر و تدبر کرتا رہا۔ خالق کی محبت میں حمد و تسبیح کے ترانے بولتا جا پھر دیکھ کہ تیری دل کی دنیا کس طرح بدل جاتی ہے! سکون و راحت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ پھر یہ حقیر چیزیں تجھے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتیں۔ تو ایک ایسے اعلیٰ مقام تک پہنچ جائے گا جہاں سے تم اِدہر اور اُدہر دیکھنا بیکار سمجھے گا۔ یہی مؤمن کا معراج ہے!

قرآن مجید کا بنیادی مقصد

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ (ابراھیم: ۱)

"یہ کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے کہ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔"

ایمان باللہ: یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو ایک ایسی زندہ ہستی کی حیثیت سے حاصل کرلے، جو تمام قوتوں کا مالک اور سب خوبیوں کا لائق ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیز موجود ہے ان کا وہ اکیلا مالک اور متصرف ہے۔ ایسا عقیدہ انسان کے لئے کوئی معمولی بات نہیں ہوتی بلکہ اس عقیدہ کے سبب جہالت کے تمام پردوں سے نکل کر روشنی کی طرف آجاتا ہے۔ غیب کے پردے سے نکل کر ظاہر جلوے تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔ دنیا میں رہتے رہتے آخرت کی حقیقت تک اس کے شعور کی منزل ہو جاتی ہے۔ ایمان اپنی بنیادی حقیقت میں شعور کی آگاہی کا نام ہے۔ یہ چند الفاظ کے بے مقصد تکرار کا نام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ جو کتاب انسانوں کو عطا کیا ہے اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسانی کو ہر قسم کے شک، وہم اور گمان سے نکال یقین کی منزل تک پہنچایا جائے۔ خدا تعالیٰ کو اس طرح تسلیم کیا جائے جیسا کہ وہ حقیقت میں پردے کے پیچھے موجود ہے اور تمام قوتوں اور قدموں کا مالک ہے "اللہ کے حکم کے

ذریعہ" سے مراد ہدایت کا وہ فطری اوراٹل قانون ہے جس کے ذریعہ ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ وہ ہے ہدایت کی طلب اوراس کی طرف متوجہ ہونا وَيَهْدِیٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ "ہدایت اسے ملے گی جو ہدایت کی طرف مائل ہو گا۔"

قومی زبان میں خدا کا پیغام

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ (ابراہیم: ۴)

"اور ہم نے دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ اس نے اپنی قومی زبان میں اللہ کا پیغام ان تک پہنچایا تا کہ لوگوں پر خدا کے پیغام کا مطلب واضح ہو جائے۔"

اللہ تعالیٰ کا نبوت اور رسالت کے سلسلہ میں یہ طریقہ رہا ہے کہ مخاطب قوم میں سے ان کا ایک قومی بھائی رسالت کے منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ پھر اس پر جو کتاب نازل کی جاتی ہے وہ بھی اس قوم کی زبان میں ہوتی ہے گویا رسول کی زبان بھی اس قوم کی زبان اور کتاب الٰہی کی زبان بھی اسی قوم کی زبان۔ یہ اس لئے تا کہ اس قوم کے افراد اپنے نبی اوراس کتاب سے پوری طرح استفادہ حاصل کر سکیں۔ اور نبی بھی خدائی پیغام کو اپنی قوم تک بہتر انداز میں پہنچا سکے اور حجت الٰہی کی تکمیل پوری طرح قائم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو ہدایت پہنچانے کی یہ رعایت رکھی گئی مگر مخاطب قوم کی یہ بد بختی سامنے آئی کہ وہ کہنے لگے کہ یہ نبی ہماری قوم سے کیوں آیا؟ ہمار جیسا بادشاہ بااختیار ہوتا، باغات، محلات اور آگے پیچھے لوگوں کا ہجوم ہوتا، کتاب بھی کسی اور زبان میں ہوتی؟ ان بد بختیوں اور بیہودہ باتوں کی وجہ سے وہ ایمان سے محروم رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو اخلاق، کردار، اور دلیل و شعور کی بنیاد پر جانچنے اور سمجھنے کے بجائے ان دنوی پیمانوں س سے ناپنے کی وجہ سے سعادت عظمیٰ ان کے حصہ میں نہیں آئی۔

شکر گذار بندون کے لئے نعمتوں میں اضافہ

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۷)

"اگر تم نے شکر ادا کیا تو میں تمہاری نعمتوں میں مزید اضافہ کرونگا"

ہر انسان اپنی زندگی میں ہر وقت، ہر چیز کیلئے خدا محتاج ہوتا ہے۔ دم لینے سے لے کر خوراک تک، بدن کی حرکت سے لے کر بات چیت تک، نقصان سے بچنے سے لے کر خوشی کے لمحات آنے تک ان سب چیزوں کا محتاج ہے، جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ پھر بھی انسانوں کی اکثریت اپنی کمزوریوں کو نہیں سمجھ رہے کہ وہ واقعتاً خدا کے محتاج ہیں۔ وہ جہالت کہ وجہ سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ چیزیں خود ہی پیدا ہوئی ہیں یا ان کو ہم نے اپنی صلاحیت اور محنت سے وجود میں لایا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ کوئی حقیر تحفہ بھی کہیں سے ملتا ہے تو اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتون کا شکر ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ: وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡهَا "اگر شمار کرنا چاہوں تو شمار بھی نہ کر سکو گے۔ در حقیقت ناشاکر بندہ شیطان کے فریب میں پھنس چکا ہے۔ شیطان نے کہا تھا کہ میں اولاد آدم کو سیدھے راستہ سے ہٹا ٹونگا اور اس میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ: وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ "ان میں اکثریت خدا کی شکر گذار نہیں ہو گی۔" خدا کے سعید بندوں کا یہی رویہ ہوتا ہے کہ جو مالک حقیقی کے عطا کردہ احسانات، حسن وزیبائش، علم ودولت، ایمان کی سعادت، سکون وآرام، فہم وفراست عزت واحترام اور اعتماد ورجوع انسانیت وغیرہ پر ہر وقت شکر کے ترانے گاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے بندوں کو بے حساب نعمتیں دیتا ہے اور نعمتوں میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شکر کرتے جاؤ تو میں اپنی نعمتوں کے خزانے کھول دوں گا اور ساتھی ہی تمہیں قرب الٰہی بھی حاصل ہوتا جائے گا۔

خدا کے روبرو پیش ہونا

وَبَرَزُوۡا لِلّٰهِ جَمِيۡعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُنَّا لَـكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا مِنۡ عَذَابِ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ قَالُوۡا لَوۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ لَهَدَيۡنٰكُمۡ‌ؕ سَوَآءٌ عَلَيۡنَاۤ اَجَزِعۡنَاۤ اَمۡ صَبَرۡنَا مَا لَـنَا مِنۡ مَّحِيۡصٍ (ابراہیم:۲۱)

"اور جب قیامت کے دن سب لوگ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ پس وہاں کمزور (پیچھے چلنے والے لوگ) سرکشوں سے کہیں گے ہم دنیا میں تمہارے پیچھے چلنے والے تھے۔ پھر کیا آج کے دن تم ایسا کر سکتے ہو کہ اللہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ کر دو؟ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم پر بچاؤ کی کوئی راہ کھولتا تو ہم بھی تمہیں کوئی راہ دکھاتے۔ اس وقت تو ہم بھی اس عذاب کو بھگت رہے ہیں۔ خواہ ہم روئیں پیٹیں یا عذاب کو جھیل لیں، دونوں حالتیں ہمارے لئے برابر ہیں ہمارے لئے آج کسی طرح بھی چھٹکارا نہیں ہے۔"

ہر انسان حقیقت میں خدا کے روبرو موجود ہے۔ مگر وہ خود کو خدا کے سامنے نہیں سمجھتا۔ پھر جب پردہ ہٹایا جائے گا اور کوئی چیز مخفی نہیں ہوگی تو پھر خدا ہر ایک کے سامنے ہوگا۔

انسان اپنے لئے سہاروں کی تلاش میں رہتا ہے اس لئے ہو ہر ایک کی پرستش بھی کرتا ہے آخرت میں جب وہ پہنچے گا تو وہاں بھی ان کو سہاروں کی ضرورت پڑے گی۔ پھر جن کی دنیا میں بندگی کرتا رہا یا جن کو قوت اور طاقت کا مالک تصور کر رہا تھا ان کو وہ پہنچائے گا۔ اور یہ دیکھ کر ان کو شدید حیرت ہوگی کہ وہ خود عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ مگر پھر بھی یہ بد بخت آخر کہاں جائے؟ ان ہی لوگوں سے جا کر کہے گا کہ میرا تھوڑا سا عذاب تو ہلکا کر دو۔ وہ کہیں گے کہ ارے بے وقوف! تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ خود اس عذاب الیم میں گرفتار ہیں۔ اگر ہمیں کچھ بھی عذاب سے بچنے کی راہ ہوتی تو پہلے اپنا عذاب کم کروا دیتے پھر تمہارے لئے بھی کچھ کرتے مگر اب تو یہ صورتحال ہے کہ چیخیں چلائیں یا عذاب کو بھگتیں، بات ایک جیسی ہے اب اس ذلت سے چھٹکارا نہ ہمیں نہ آپ کو میسر ہوگا۔

قیامت کے دن کی پوری روئداد اللہ تعالیٰ نے ہمیں دینا میں ہی بتلادی ہے اور خبر دار کیا ہے کہ خدا

کے سوا جتنے بھی سہارے بناتے پھرتے سو وہ اس دن کی کام میں نہیں آئیں گے۔ مگر ہائے انسان کی بد نصیبی کہ آگاہ ہونے کے بعد بھی وہ شرک کیے جارہا ہے اور خدا کی مخلوق کو خدا بنا کر اس کی پرستش میں لگا ہوا ہے۔

شیطان کا آخری خطاب

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ (ابراہیم: ۲۲)

"قیامت کے دن جب ساری فیصلے ہو جائیں گے تو شیطان کہے گا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے واعدہ کیا تھا وہ سچا واعدہ تھا (اور پورا ہو کر رہا) اور میں نے بھی تم سے واعد کیا تھا مگر میں نے واعدہ خلافی کی۔"

قیامت کے دن جب تمام انسانوں سے حساب وکتاب ہو جائے گا۔ ہر ایک اپنے اپنے مقام تک پہنچ جائے گا تو اس موقعہ پر شیطان جہنم میں کھڑا ہو کر اپنے جہنمیوں سے جن کو گمراہ کیا تھا آخری خطاب کرے گا۔

قرآن مجید آگاہ کرتا ہے کہ شیطان کہے گا کہ:

"اے لوگو تم سے اللہ تعالیٰ نے (انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ) ایک واعدہ کیا تھا وہ واعدہ سچا تھا اور اس نے اس کو پورا کر دکھایا وہ یہ تھا کہ اگر تم نے خدا کی عبادت اور اطاعت کی اور ہدایت کے راستہ پر چل کر زندگی گذاری تو تمہیں ابدی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ آج وہ مومن اور صالح بندے بہشت میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس دنیا میں، نے بھی آپ سے واعدہ کیا تھا مگر میرا واعدہ جھوٹا تھا وہ پورا نہیں ہوا اس لئے اب تم عذاب سے دو چار ہو چکے ہو۔ مگر میں ساتھ ہی یہ بات بھی کہتا ہوں کہ میرا تم پر کوئی زور زبردستی نہیں تھی کہ تم کو مجبور کرکے اپنے پیچھے لگا دیا:

ہاں اتنا ہی ہے کہ جب میں نے آپ کو خدا کی نافرمانی کی دعوت دی تو تم نے اس کو فوری طور پر قبول کر دیا پس آج کے دن تم مجھے ہرگز ملالت نہ کرو بلکہ اپنے نفسوں کی خود ملامت کرو۔ اب میں تمہارا مددگار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی تم میرے مددگار بن سکتے ہو۔ اب اپنے راستے جدا جدا ہو چکے ہیں۔ میں اس شرک سے بھی بیزاری کا اعلان کرتا ہوں جو تم مجھے خدا کے ساتھ شریک بنالیا تھا۔ آج ظالموں کے لئے شدید عذاب موجود ہے اور تم اب اس عذاب میں جلتے رہو۔

شیطان جس شرک کا انکار کر رہا ہے وہ "شریک فی الاطاعت" ہے اس لئے کہ شیطان کو کوئی معبود بنا کر سجدے نہیں کرتا۔ شیطان تو گناہ کو مزین کرکے پیش کرتا ہے انسان اس میں مبتلا ہو کر خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ شیطان کہے گا کہ یہ گناہ تم نے نفس کے خواہشوں کے مطابق کیے تھے میں نے تم پر کوئی جبر نہیں کیا تھا اس لئے اس شرک سے میں بیزار ہوں۔

کائنات کی منصوبہ بندی

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (الحجر: ۲۱)

"اور دیکھو! کوئی چیز نہیں ہے کہ اس کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں۔ مگر ہم انہیں مقرر شدہ اندازے کے مطابق ہی دنیا میں بھیجتے ہیں۔"

کائنات میں تمام اشیاء کے لئے منصوبہ بندی کا ضابطہ موجود ہے۔ ہوا ایک خاص مقدار میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ دکھلاتا ہے کہ کبھی یہ ہوا طوفان بھی بن جاتی ہے۔ سورج دنیا سے ایک فاصلہ پر موجود ہے یہ اگر کچھ فاصلہ دور ہو جائے تو زمین ایک برف کا ٹیلا بن جائے۔ اور اگر کچھ فاصلہ نیچے آجائے تو زمین ایک جلتا ہوا گولہ بن جائے۔ زمین کی کشش ایک مناسب انداز میں رکھی گئی ہے۔ زمین کو موٹائی اگر دگنی بن جائے تو اس کے کشش اتنی بڑھ جائے کہ زمین پر چلنا ناممکن بن جائے۔ اگر زمین کی کشش میں کمی واقع ہو تو اس پر انسان، جانور اور عمارات قرار نہ لے سکیں۔ یہی صورتحال سب کے ساتھ ہے کہ ہر ایک اپنے خاص انداز کے ساتھ موجود ہے۔ زمین پر انسانوں اور جانداروں کی زندگی کا مدار پانی پر ہے۔ زمین کے نیچے پانی کے ذخیرے اور فضائے بادلوں کے ذریعے پانی کی فراہمی کا نظام ایک عجیب اور زبردست انتظام کے ساتھ قائم شدہ ہے، اس پر کسی انسان کا بس نہیں چلتا۔ یہ تمام انتظامات اللہ تعالیٰ کی توحید کی واضح نشانیاں ہیں۔

انسان ایک نازک صورت حال اور کمزوری کے ساتھ زندگی گذار رہا ہے۔ کائنات میں کوئی تھوڑا سا بھی فرق آجائے تو انسان کی زندگی نیست و نابود ہو سکتی ہے۔ بے شمار اجزاء کے میلاپ اور ان گنت امکانات کی موجودگی میں زندگی کا برقرار رہنا، بتا رہا ہے کہ اس دنیا کو کوئی عظیم مدبر اور منتظم چلا رہا ہے۔ دنیا کا اعتدال اور تناسب اتفاق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس حالت میں توحید کو نہ ماننا اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانا نہایت غیر معقول رویہ ہو سکتا ہے جس کو صرف جہالت اور نادانی ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

صحیح راستہ کیا ہے

قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ (الحجر: ۴۱)

"خدا نے فرمایا کہ: بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے۔"

حضرت مجاہد، حضرت حسن اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ: طریق الحق مرجعھا الی اللہ تعالیٰ والیہ تنتھی (ابن کثیر) "حق کا راستہ وہی ہے جو اللہ تک پہنچائے اور وہاں ہی اختتام پذیر پر ہو۔" مگر جو لوگ شرک کرتے ہیں تو یہ راہ ان کو خدا تک نہیں بلکہ ان شریکوں تک لے جاتی ہے جن کو عبادت اور اطاعت میں شریک کر لیا ہے۔ سرکشی اختیار کرنا، آوارہ بے ہودگی کے ساتھ بھٹکتا رہے گا وہ راستہ ہاتھ نہیں آئے گا جو راستہ خدا کی طرف جاتا ہے۔ خدا کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق سفر کرنا، انسان کو یکسوئی اور خود اعتمادی کی نعمت سے مالا مال کرتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں بے بس، بے کس عاجز بندہ ہوں، سب قوتیں میرے مالک اور خالق کے پاس ہیں وہی مجھے ہر معاملہ میں محفوظ رکھے گا اور سرفرازی نعمت کرے گا۔ پھر یہ بات بھی طئی ہے کہ جو شخص خدا کی حفاظت میں آگیا اور محفوظ راستہ پر چل پڑا تو اس پر شیطان کا کوئی حملہ نہیں ہو سکتا۔ اس

کا تعلق شیطان سے ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے گا۔ جہنم کے لئے کہا گیا ہے لها سبعة ابواب "اس کے سات درجے ہوں گے" ہر طبقے کے لئے الگ الگ لوگوں کا انتخاب ہوگا۔ اسی طرح جنت کے بھی طبقے ہوں گے۔ ہر گروہ کو اس کے درجے کے مطابق رہائش ملے گی۔

اللہ کے بندوں کے لئے اللہ ہی کافی ہے

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ (الحجر: ۹۵)

"خدا نے فرمایا کہ: حق کی دعوت پر ہنسی اور مذاق اڑانے والوں کے لئے ہم آپ کے لئے بہت کافی ہیں۔"

اس دنیا میں آزادی اور اختیار ملنے کے سبب ہر انسان کو (سنت اللہ کے تحت) چھوٹ ملی ہوئی ہے کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے۔ حق کی دعوت دینے والوں کے خلاف بے ہودہ باتیں کرنا، حق کا مذاق اڑانا اور دعوت کو ہنسی اور مذاق کا معاملہ سمجھنا، یہ عام طور پر مخالفین کی عادت رہی ہے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ داعی حق کو حوصلہ اور تسلی دیتا ہے کہ ان بدبختوں کو نظر انداز کریں، ان کی گری ہوئی باتوں کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ ہمارے قوت اور طاقت ان شر پسندوں کے مقابلہ میں آپ کے لئے بڑا سہارا ہے۔ ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ یہ پیغام صداقت اور اخلاص کے ساتھ پوری لگن سے پہنچاتے رہیں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ "آپ کو جو کہا گیا ہے اس کو واضح طور پر لوگوں تک پہنچادو۔" داعی کو ناموافق حالات اگر سامنے آجائیں وہ خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جو قوت ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے گی وہ کسی اور کی طرف سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان موقع پر عبادت میں مشغول ہو کر سکون قلب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آنکھوں سے آنسوں بہا کر دل کا بوجہ کم کیا جائے۔ رات کو مناجاتیں کر کے وہ چیز حاصل کی جائے جو خدا کو مطلوب ہے اللہ تعالیٰ ہر وقت داعی حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی دوستی، محبت اور قرب ہی مومن کے لئے اصل قوت ہے۔

شرک نامعقول حرکت

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (النحل: ۲۰)

"اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ خود بھی کسی اور کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔"

شرک کی عام صورت یہی ہے کہ انسان، خدا کے برگزیدہ شخصیات سے عقیدت رکھتے ہوئے ان کی پوجا کرنا شروع کرتا ہے۔ اپنی حاجات اور مشکلات ان کے پاس لے جاتا ہے ان کو مدد کے لئے پکارتا ہے۔ "المدد یا فلاں" کے راگ الاپتا رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ بزرگ حضرات میری صدا کو سن رہے ہیں۔ پھر ان کو یہ قوت بھی حاصل ہے کہ اس صدا کو پورا کر دیں۔ اس طرح میری حل ہو جائیں گی۔ ایسے لوگ ان بزرگوں کی قبروں پر مقبرے بناتے ہیں۔ ان قبروں کا طواف کرتے ہیں وہاں پہنچ کر نذریں اور نیاز تقسیم

کرتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر میرا یہ کام ہو جائے مثلاً بیٹا پیدا ہو جائے۔ میرے بیماری ختم ہو جائے، میرے مال میں برکت ہو جائے، میرے مقدر میں نجات مل جائے تو میں اتنا مال و دولت آخر آپ کے حوالے کر دوں گا یا تیرے نام اتنے بکرے ذبح کروں گا اور تیرے نام پر اتنے لوگوں کو کھانا کھلائوں گا۔ یہ ساری بیہودہ اور بکواس شرک اور کفر کے کلمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے لئے اس قسم کے خیالات رکھنا کہ ان کو قوت حاصل ہے اور مخلوق کے تمام مشکلات کو یہ حل کر دیتے ہیں، کھلا ہوا شرک اور کفر ہے۔ اس کے بعد ایسے شخص میں ایمان ہر گز نہیں رہتا اور قیامت کے اللہ کے عذاب کا حقدار ہو گا۔

دن اللہ تعالیٰ کے یہ محبوب بندے، انبیاء ہوں یا اولیاء۔ مقربین ہوں یا حکماء، یہ سب کے سب عبادت اور اطاعت کر کے، اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے عالم آخرت میں پہنچ چکے ہیں آپ وہ ملأ اعلیٰ میں اب کے حضور میں موجود ہیں۔ ان کو دنیا کے معاملات، دنیا کے کاربار، دنیا کے مسائل اورانسان کے حاجات، مشکلات اور مصائب سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں ہے۔ انسانوں کے فریادیں سنتے ہیں نہ ہی ان کو پورا کرنے کا معاملہ ان کے حوالہ ہے۔ وہ تو خدا کی نعمتوں کے منتظر ہیں اور وحی الٰہی کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ دنیا کے لوگوں نے خواہ مخواہ خدا کو چھوڑ کر ان صالح بندوں کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے جب قیامت کا دن سامنے آئے گا تو ان کو اپنی حماقت، جہالت، نادانی اور غیر معقول حرکت واضح ہو کر سامنے آئیگی پھر بہت بچھتائیں گے مگر وہ دن ایمان لانے کا نہیں بلکہ عذاب کا دن ہو گا۔

ظلم کا انجام سامنے آئے گا

اَلَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ (النحل: ۲۸)

"ان کافروں کے لئے کہ فرشتوں نے جب ان کی روحیں قبض کی تھیں تو ان کی یہ حالت تھی کہ وہ خود اپنے جانوں پر اپنے ہاتھوں سے ظلم کر رہے تھے۔"

ظلم ایک بہت بڑا جرم ہے۔ ظلم ساتھ تکبر بھی لازم ملزوم ہے۔ ان دو جرموں کی سزا عام طور پر اس دنیا میں ہی دی جاتی ہے۔ ہر غلطی سے در گذر کیا جاسکتا ہے مگر ظلم اور تکبر کی معافی نہیں مل سکتی۔ ظلم کا معاملہ بندوں کے ساتھ ہے اور تکبر کرنا خدا کی عظمت کی چادر کو تار تار کرنا ہے۔ جب یہ دونوں جرم کیے جائیں تو گویا خدا اور بندوں کے حقوق میں دست درزای کرنا ہے۔ ظلم کے اظہار کی دو صورتیں ہیں ایک ظلم جو بندوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ طاقت، دولت، اختیارات کے گھمنڈ میں آکر انسان دوسرے انسان پر زیادتی کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ حقیر انسان میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔؟

دوسری صورت یہ ہے کہ داعی حق کے ساتھ زیادتی کا رویہ اختیار کرلے۔ یہ ظلم خدا کو ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ ایک انسان حق اور سچ کی بات لیکر اٹھا ہے اور انسانوں کو صداقت کی طرف بلا رہا ہے اس موقعہ پر جن لوگوں کو سرداری، چودھرات اور بڑائی حاصل ہے اور وہ اس دعوت کو اپنے شان، مرتبے اور اختیارات کے خلاف چیلنج سمجھتے ہیں، اس بنا پر وہ اس دعوت کو مٹانا چاہتے ہیں، داعی پر ظلم و ستم کے پہاڑ گراتے ہیں۔ ان کو جسمانی طور پر ہی ختم کرنا اور ملیامیٹ کرنا ان کا ہدف ہوتا ہے۔ تو اس صورت حال کو

خداوند قدوس ہر گز برداشت نہیں کرتا۔ ایک مقرر وقت تک مہلت دی جاتی ہے اس پر وہ ظالم سمجھتا ہے کہ میرا معاملہ اس حقیر بندہ کے ساتھ ہے ان کو دیکھ کررہوں گا۔

وہ نہیں سمجھتا کہ میں دعوت کا مقابلہ کر کے دراصل خدا سے مقابلہ کر رہا ہوں۔ جب خدا کا حملہ مجھ پر ہوا تو میں خدا کے سامنے کیا کر سکتا ہوں! مگر وہ لحہ آ ہی جاتا ہے جب اس پر موت طاری ہوتی ہے، فرشتے روح قبض کرتے ہیں اور اس وقت وہ ظلم و کبر میں مبتلا رہتا ہے۔ تو اب آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ سب کچھ سامنے آتا ہے۔ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ میرا مقابلہ داعی حق کے ساتھ نہیں تھا بلکہ ذات حق کے ساتھ اب ظلم و کبر خاک آلود ہو گئے اور وہ اپنے انجام سے دوچارہ ہو گا۔

دین میں سہولت اور آسانی

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ (النحل: ۳۰)

”اور دیکھو! جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لئے یہاں اچھائی ہی ہوگی یقیناً ان کے لئے آخرت میں بھی خیر و برکت کا ہی گھر ہے۔“

کچھ نادان لوگوں کا خیال ہے کہ دین، انسان کی زندگی کو مشکل بناتا ہے۔ دینی پابندیان اور فرائض عائد کر کے انسان کی آزادی سلب کر دیتا ہے۔ یہ بات نہ صرف فریب اور دھوکہ ہے مکر شیطان کا بیدار کردہ وسوسہ ہے جو انسان کو معقول اور متوازن زندگی گذارنے سے ہٹانا چاہتا ہے۔

الدین یسر ”دین میں آسانی اور سہولت رکھی گئی ہے۔“ دین فتنہ وفساد، انتقام، حسد اور ظلم سے روکتا ہے۔ دین انصاف پر چلنے، انصاف کرنے، مخلوق کو غلامی سے نجات دلانے اور خدا پرستی کی پاکیزہ زندگی گذارنے کا سبق دیتا ہے۔ ایسے دین پر عمل کر کے انسان کسی شکل میں نہیں پھنستا بلکہ انسانیت کے بلند مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ ایسی شرافت اور دیانتداری کی زندگی گذارنے والے کو یہاں بھی نیک نامی ملتی ہے اور ہمیشہ کی دنیا میں جانے کے بعد اس کو عظیم انعامات سے نواز جائے گا۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کی ہدایات، جو شرفِ انسانیت کا باعث ہیں، اگر دنیا میں اجتماعی طور پر ان عمل کیا جائے تو یہ دنیا امن کا گہوارہ اور انسانیت کی اخوت پر مبنی بلند مقام حاصل کر سکتا ہے۔

جرم کرنے پر جلد مؤاخذہ نہیں ہوتا۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ (النحل: ۶۱)

”اور اگر ایسا ہوتا کہ اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر فوراً پکڑ لیتا تو ممکن نہ تھا کہ زمین کی سطح پر ایک حرکت کرنے والی چیز بھی باقی رہتی۔“

ظلم پر سزا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص جس وقت بھی ظلم کرلے تو اس کو اسی وقت ہی سزا دی جائے۔ مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرتا تو پھر زمین پر کوئی چلنے پھرنے والی چیز باقی

نہ ہوتی۔ جرم برابر کئے جارہے ہیں اور سزا فوری ملتی جاتی تو روزانہ کروڑوں انسان فنا کے گھاٹ اتارے جاتے ۔پس اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر فرد کے لئے ایک مقرر وقت تک مہلت دے رکھی ہے۔اس عرصہ کے آنے تک ہر ایک کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ ضمیر کی آواز کے مطابق یا واقعات، تجربات اور حالات کے مشاہدے اوران سے سبق حاصل کرنے تک اپنی اصلاح کرلے۔ جیسا ہی کوئی انسان اصلاح کرلیتا ہے اور خدا کی طرف پلٹ جاتا ہے، اپنے جرائم پر پشیمان ہو کر اس کے حضور میں حاضر ہو کر دل سے معافی طلب کرتا ہے جس کے متعلق خداوند قدوس خود فرماتے ہیں تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا " آئندہ حتی الوسع گناہ نہ کرنے کی شرط پر خدا کی طرف پلٹ جائو۔"تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم اور شفقت تامہ کے تحت ایسے بندہ کو معاف کرلیتا ہے۔ اور معافی بھی ایسی کہ جیسا کہ اس نے گناہ ہی نہیں کیا تھا۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ "گناہ سے رجوع کرنے والا ایسا ہو گیا جیسا کہ اس نے گناہ نہیں کیا"

جس طرح کسی سرکش قوم کو مہلت دی جاتی ہے اور مہلت کے عرصہ میں اس کو کچھ نہیں کیا جاسکتا تو مہلت کے گذرنے کے بعد پھر چھوڑا بھی نہیں جاتا۔ فرمایا: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ "جب وہ گھڑی آ پہنچتی ہے تو پھر ایک لحہ بھی آگے یا پیچھے نہیں ہوتا۔"

ایک شخص پوری امت

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل: ۱۲۰)

"بلاشبہ ابراہیم اپنی شخصیت میں ایک پوری امت تھا۔ ہر وقت اللہ کے آگے جھکا ہوا، تمام انسانی بناوٹی راہوں سے ہٹا ہوا اور ہرگز وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو، اللہ تعالیٰ نے ایک "مطلوب انسان" کی حیثیت میں نمونہ کے طور پر کائنات کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ نمونہ کے طور پر مثالی انسان کیوں کرہنا؟

اس کا سبب یہ ہے کہ وہ شدید بگڑے ہوئے ماحول میں، تن تنہا، توحید کے نظریہ پر قائم رہا۔ وہ بت پرستی کے ماحول میں شرک کے شدید مزاحمت کرنے کے لئے میدان میں نکل پڑا جب کہ دنیا میں اس کا ایک بھی، ہاں ایک بھی ساتھی نہیں تھا۔ اس عظیم انسان کی ہمت، حوصلے اور ایمانی جذبے کی داد دیجئے۔ کہ وہ اکیلے سر، مشرک قوم کے بت خانہ میں داخل ہوا اور تمام جعلی معبودوں باطل کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ پھر پوچھنے پر جرأت سے کہا کہ تم اپنے ان معبودوں سے ہی پوچھ لو کہ تمہارا یہ حال کس نے کیا ہے؟ مشرک شکست خوردہ اور ذلیل ہو کر کہنے لگے مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ "یہ تو بات نہیں کرتے!"

اس پر سیدنا ابراہیمؑ للکار کر کہنے لگے اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ "صد حیف ہے تم پر اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا" پھر عقل کے اندھوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ: حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ "ابراہیم کو آگ میں جلادو اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو۔"یعنی اب تمہاری مدد معبود نہیں کرسکتے نہ ہی وہ اپنی مدد کرسکتے ہیں بلکہ جو سر ٹیکتے ہیں وہی ان "طاقتور" معبودوں کی مدد کرکے ان کو ذلت اور بربادی سے نکالیں۔ مشرک کی عقل یہاں تک گر جاتی ہے کہ معبود تو اس کو کیا جاتا ہے جو طاقتور ہو اور عجز

کے وقت وہ مدد کرسکے۔ مگر ان معبودوں کا یہ حال ہو چکا ہے کہ جس موحد انسان نے ان کو ذلیل کر کے ٹکڑے ٹکرے کر دیا ہے اب یہ لوگ بتوں کے دشمن کو آگ میں ڈال کر اپنے معبودوں کو سرخرو کر رہے ہیں۔ مشرک کی عقل کتنی ماری جاتی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو توحید کی اشاعت اور اس راہ میں قربانیاں کرنے پر انعام خداوندی نازل ہوا۔ ارشاد ہوا کہ: اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا "ہم نے آپ کو کائنات انسانی کا امام اور رہبر بنایا۔ نہ عوام کی اکثریت، نہ دنوی اقتدار، نہ ہی زمین پر غلبہ، مگر توحید کی اشاعت پر امامت کا انعام اور اعلان۔ ان کی پشت سے ایک امت مسلم کا قیام اور خاتم الانبیاء کی آمد۔

قوم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب نازل ہونے کا وقت!

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا (بنی اسرائیل: ۱۶)

"جب ہمیں یہ بات منظور ہوتی کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں (یعنی وحی کے ذریعہ احکام الٰہی پہنچا دیتے ہیں پھر وہ بجائے اس کے کہ اس کی تعمیل کریں) وہ نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ پھر خدا کا عذاب ان پر ثابت ہو جاتا ہے اور پھر یہ لوگ ہلاک کیے جاتے ہیں۔"

کسی بھی قوم کے اصلاح اور فساد کا دارومدار، اس قوم کی رہنمائی کرنے والے گروہ پر، ہوتا ہے۔ یہی طبقہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اپنے وسائل کے ذریعہ انسانوں پر اثر رکھتا ہے یہی طبقہ اپنی قیادت کی قیمت بھی وصول کرتا ہے۔ خوشحال اور دولت مند طبقہ جب اختیار واقتدار کی مستیوں میں آکر بدکرداری پر اتر آتا ہے اور نافرمانیوں کی حدود پار کر جاتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی ہے اور امر تکوینی سے جلد ہی ایسی قوم عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ دنیا میں جتنی بھی قومیں تباہ وبرباد ہوئی ہیں وہ اس عام اصول کے تحت عذاب میں نیست ونابود ہوئی ہیں۔ انسانی تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ قوم کا دولت مند اور اقتداری ٹولہ عوام کو الفاظ کی مکاری میں گرفتار کر کے غلط طریقے سے رہنمائی کرتا ہے۔ عوام بے سمجھ اور کم عقل، نعروں کے جال میں پھنس کر آسانی سے ظالموں کا شکار ہو جاتا ہے اس طرح عوام کو جان بوجھ کر افلاس میں دھکیل کر ان کو غلام بنانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر خوشی سے یا جہالت سے ایسے فسادی گروہ کو عوام اپنا آئیڈیل بناتے ہیں۔ آج بھی ہمارے معاشروں میں یہ "مترفین" فسق وفجور میں مبتلا ہیں اور معیشت کے وسائل پر بھی قابض ہیں۔ جاہل لوگوں کو جھوٹے نعروں میں پھنسا کر اپنا پیرو گار بنا رکھا ہے۔ یہی گروہ اپنی بدکردار اور مکاری کے سبب عذاب الٰہی کا مستحق ہو چکا ہے شاید رب ذوالجلال کے عذاب میں جلد ہی پھنس جائے۔ زمین کو ان ناپاک جسموں سے پاک کر دیا جائے۔

خدا کے لئے اولاد کا تصور

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (الکہف: ۴)

"نیز ان لوگوں کو متنبہ کیا جائے جنہوں نے ایسی سخت بات منہ سے نکالی اور کہا کہ اللہ بھی اولاد رکھتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا آخری ہدایت نامہ قرآن مجید، جو آسمانی کتابوں میں آخری تصدیق شدہ ایڈیشن ہے۔ پہلی کتابوں میں جزوی طور پر تحریف ہو چکی ہے جس سے توحید کے شفاف نظریہ کو زنگ لگ گیا۔ کچھ لوگوں نے اپنے رسولوں کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض کو خدائی اختیارات میں شامل کر دیا اس سے دین اپنی سادگی اور فطرت کھو بیٹھا اور وہ کچھ اور خیز نظر آنے لگا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا انتظام فرمایا کہ اس آخری کتاب کو محفوظ کر دیا تا کہ توحید کو سمجھنے اور اس پر قائم رہنے کا صحیح راستہ محفوظ ہو۔

انسان کی بنیادی گمراہی کا سبب یہی رہا ہے کہ وہ دنیا میں خدا کے سوا دیگر سہارے تلاش کرتا ہے پھرتا ہے اور پھر ان سہاروں کے متعلق یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سہارا ان کو قیامت کے روز کام آئیں گے، یہاں تک کہ انبیاء جو توحید پر کاربند رہنے کی تبلیغ کرتے رہے ہیں، ان کو بھی خدا کا شریک بنالیا گیا اور بعض گروہوں نے انبیاء کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کے بیٹے ہمارے گناہوں کا کفارہ بنے گے اور ان کے ہوتے ہوئے بھلا کو عذاب سے کیا واسطہ؟ قیامت کے روز یہ کتنا خوفناک منظر ہو گا کہ انسان کے بنائے ہوئے یہ جعلی سہارے جب انسان مشرکوں سے بیزار ہو جائیں گے اور وہ ان سے براۃ کا اظہار کریں گے، تو ان کا برا حال ہو گا۔ اپنے علماء سوا اور جعلی لیڈروں پر ملامت کریں گے کہ نہوں نے یہ غلط راستہ ان کو دنیا میں دکھلایا ،ان کو بھی گمراہ کیا وہ خود بھی گمراہ ہوئے۔

داعی حق کی دل سوزی اور تڑپ

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف: ۶)

"اے پیغمبر! تیری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ جب یہ لوگ حق کی بات نہیں مان رہے ہیں تو آپ ان کے پیچھے، مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈال دیں۔"

حق کے داعی کا منظر قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ مدعوین اور مخاطبین کے ایمان نہ لے آنے، حق کی دعوت کو قبول کرنے اور دعوت کو ٹھکرانے کے سبب اس قدر پریشان، دکھی اور دل نابرداشتہ ہو جاتے ہیں کہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ داعی حق کی ہمدردی، شفقت اور خیر خواہی کی انتہا ہے۔ اس موقعہ پر دعوت کے منصب پر فائز کرنے والے رب ذی الجلال خود داعی حق کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ قدر پریشان اور تنگی محسوس نہ کریں اگر یہ لوگ نہیں مانتے اور دعوت کو قبول نہیں کرتے تو یہ ان کی بدبختی اور بدقسمتی ہے۔ آپ نے تو اپنا فرض پورا کر لیا مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ

الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى "قرآن مجید کے پہنچانے میں اتنی مشقت ہماری منشا میں نہیں ہے۔"
حق کی دعوت جب واضح دلائل کے ساتھ پیش کی جاتی ہے تو آخر اس کے ماننے میں رکاوٹ کیا چیز بنتی ہے؟ یہ رکاوٹ ہے دنیا کی عیاشیاں، دولت کی لالچ، اقتدار کی چاہت، نفس کی خواہشیں۔ یہ سب مل کر انسان کو آخرت کے دن سے غافل بناتی ہیں پھر انسان دنیا کو حاصل کرنے کے لئے حق کو داعی کے ساتھ جنگ اور جدال پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس موقعہ پر حق کے داعی کو افسوس ہوتا ہے کہ انسان مختصر اور عارضی دنیا کی خاطر ہمیشہ کی زندگی کو داؤ پر لگا رہا ہے۔ اس کو یہ واضح بات کیوں سمجھ میں نہیں آرہی ہے؟

خدا کے حضور میں پہنچنا

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا
(الکہف: ۴۸)

"جس طرح ہم نے تمہیں آج کے دن حاضر کیا جیسا کہ ہم نے پہلی مرتبہ تم کو پیدا کر کے وجود میں لایا۔ مگر تم نے تو خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے ایک مقرر وقت ٹھیرایا ہی نہیں۔"

اس دنیا میں جو اسباب پیدا کیے گئے ہیں وہ سب انسان کے امتحان کے لئے ہیں امتحان کی مدت پوری ہونے کے بعد یہ سب باقی نہیں رہیں گے۔ زمین کی نفعہ بخش خاصیت ختم ہو جائیں گی، سبزہ اور گھاس پھوس نہیں ہوگی۔ ایک چٹیل میدان بن جائے گی۔ زمین کی طلب، اس کو حاصل کرنے کی خواہش۔ زمین پر گھمنڈ کے ساتھ چلنے کی عادت اور تکبر کارویہ وغیرہ سب کچھ مفقود ہو جائیگا۔ پہاڑ چلے جائیں گے۔ سب انسانوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔ صفیں باندھ کر خدا کے حضور میں سب کھڑے ہوں گے۔ جو اختیار امتحان کی وجہ سے حاصل تھا اب وہ نہیں رہے گا۔ اب وہ بے اختیار، بے یارومددگار، عجز اور بے بسی کی تصویر بنا کھڑا ہو گا۔ اس وقت اس کو کہا جائے گا کہ اب پہنچ گئے اس جگہ، جہاں تم کو آنا تھا، تم نے تو سمجھا تھا کہ خدا سے ملاقات کا بہ مقام آئے گا ہی نہیں! حساب و کتاب اور دنوی سارے معاملات طئے کرنے کے لئے آج کے دن تمہیں آنا تھا۔ سو آ گئے اب حساب لیا جائے گا۔

خدا ایک پردے کی اوٹ میں ہے جب پردہ اٹھایا جائیگا تو خدا تعالیٰ غیب سے حضور میں آئیں گے۔ اب تمام شکوک شبھے دور جائیں گے۔ حقیقت سامنے آجائیں گی۔ اس وقت مجرم اور نافرمان خوف کے مارے کانپنے لگیں گے۔ اور کہیں گے کہ ہائے افسوس ہائے ملامت! یہ سب کیا ہو گیا؟ مگر اس وقت پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ امتحان کی گھڑی گذار گئی!

ابلیس کو دوست بنانا

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ
(الکہف: ۵۰)

"ابلیس جنوں میں سے تھا پھر وہ پرودگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ پھر تم مجھے چھوڑ کر کیا ابلیس کو اور اس کی نسل کو اپنا دوست اور کارساز بناتے ہو۔"

انسان کو اس دنیا میں ابتلاؤ آزمائش سے گذارنے سے پہلے، پیدا شدہ مخلوق جنوں اور فرشتوں سے ایک امتحان لیا گیا۔ آدم کو پیدا کر کے جنوں اور فرشتون سے کہا گیا کہ تم آدم کے آگے سر تسلیم خم کرو اور سجدہ ریز ہو جائو! فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی اور آدم کی عظمت کا اقرار کر لیا مگر ابلیس نے حکم کا انکار کیا۔ ابلیس جنوں کے نسل سے تھا اور اپنی عظمت کو برتر سمجھا اور آدم کی حقیر جان کر اس کی عظمت کا انکار کیا۔ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے وہ بڑا عبادت گذار تھا مگر امتحان میں ناکامی کی وجہ سے کبر، اور برتری کے احساس نے اس کی ساری عبادتیں ختم کر دیں۔ ابلیس معلون اور مردود ہو گیا۔

خدا پر ایمان اور اس کی عبادت وہی معتبر ہو گی جس کے بعد انسان میں عجز وانکساری پیدا ہو اور کبر کا رویہ ختم ہو جائے اور پھر اللہ کے ہر حکم کے آگے سجدہ ریز ہو جائے۔ اگر یہ کیفیت اور رویہ ایمان پیدا نہیں کرتا یہ چند جملوں کے زبانی تقرار دے ایمان قائم نہیں رہ سکتا۔ اور ایسا انسان ابلیس کا ساتھی ہو گا اور اور اسی کا دوست!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابلیس کے اس استکبار کے بعد بھی تم اس کو یا اس کو اولاد اور نسل کو یعنی جنوں کو اپنا دوست سمجھتے ہو، اس سے دوستیاں کرتے ہو جنوں سے اپنا کام کرواتے ہو اور سمجھتے ہو کہ جنوں کے پاس علم غیب یا اختیارات ہیں تو یہ تمہاری نادانی اور جہالت ہے۔ ابلیس اور جنوں کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کو صاحب اختیار سمجھنا کفر کے قریب ہے۔ جنوں کے فریب اور دھوکے سے بچنے کے لئے معوذتین کا ورد کرنا تلقین کیا گیا ہے اس کے آگے کچھ نہیں۔ جنوں سے یاری رکھ کر ان کی باتوں پر اعتماد کرنا اور اس پر کاروبار کرنا گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

دنوی اقتدار کی خواہش

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (مریم: ۸۱)

"ان لوگوں نے اللہ کے سوا کئی دوسرے لوگوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے تا کہ یہ ان کو دنیا میں غلبہ دینے میں مددگار ہوں۔"

جو انسان اس دنیا کے بعد آنے والی زندگی کو اہمیت نہیں دیتے، ان کا عمل یہ بتا رہا ہے کہ ان کے نزدیک آخرت کی زندگی ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی تمام کاوشیں فقط اس عارضی دنیا کے لئے ہی مخصوص ہو جاتی ہیں۔ وہ اس دنیا کے لئے پیدا ہوئے، کچھ کمایا، کھایا پیا اور مر کھپ گئے۔ ان کا دنیا میں ہدف اقتدار کا حصول، دولت کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا، شہرت کا حصول، عوام کو غلام بنا کر رکھنا اور اپنے حضور میں ان کو کھڑا رکھنا، اختیارات کو اپنے لئے مخصوص کرنا ہی ہوتا ہے، اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے جھوٹ، دھوکا، ظلم وزیادتی، لوٹ مار، بدعہدی اور بددیانتی جیسے حربے اختیار کرنے پڑیں تو ہر چیز کر گذرنا، ان کا معمول ہوتا ہے۔

یہ سب دنوی لذتیں عارضی، حقیر اور مختصر عرصہ کے لئے ان کو ملتی ہیں مگر تاریخ اور حالات زمانہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ چیزیں کسی کے ساتھ وفادار نہیں رہی ہیں۔ کوئی دوسرا مضبوط انسان انقلابی ہتوڑے سے آگے بڑھتا ہے وہ اس سے ساری چیزیں چھین لیتا ہے اور اس کو ہر چیز سے محروم کرکے عبرت کا نشانہ بنادیتا ہے۔ پھر آخرت میں تو سواء عذاب الٰہی کے اور کوئی چیز اس کا انتظار نہیں کررہی ہوتی خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ۔ ایسے انسانوں کے لئے کہا گیا ہے۔

دلوں میں محبت کا پیدا ہونا

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم: ۹۶)

”اے پیغمبر! جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان کے لئے یقینی بات ہے کہ رب رحمان دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔ (لوگ ان کی طرف رجوع کریں گے ان کو پیار و محبت کی نظر سے دیکھے گے۔“

ایمان کی دولت حاصل ہونے کے بعد اہل ایمان (اگر وہ ایمان کی دولت رکھتے ہیں تو) ایک دوسرے کے ساتھ گہری محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر جانیں فدا کرتے ہیں۔ قربانی کی حیرت انگیز مثالیں قائم کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ: اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ”خدا کے اس نعمت کو یاد کرو کہ ایمان سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی وجہ سے تمہارے اندر محبت ڈال کر ایک دوسرے کو ایک کردیا۔“

ارشاد فرمایا کہ: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً ”اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں محبت، شفقت اور جذبات الفت پیدا فرماتا ہے۔“

اسلام کو غالب کرنے کا جذبہ رکھنے والی نظریاتی جماعت اور اس میں قربانیاں کرنے والے اہل ایمان کے جہاد اور انفاق کی وجہ سے ایسی صورتحال پیدا ہوتی ہے کہ جماعت کا ہر فرد دوسرے پر ہر چیز نچھاور کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ یہ بات آج کل کے رسمی اور لفظی ایمان والوں میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ رسمی ایمان تو اہل ایمان کے سارے اوصاف حمیدہ ختم کردیتا ہے۔ ایسے اہل ایمان صرف نام کے رہ جاتے ہیں وہ آپس میں حسد، بغض، کینہ اور ایک دوسرے کو گرانے کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اہل ایمان عابد، زاہد اور خدا کے اطاعت گذار بن جائیں وہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جہاد کی راہ کو اختیار کرلیں اور رضا الٰہی ان کی منزل قرار پائے تو ایسے اہل ایمان ایک دوسرے پر قربان ہوں گے اوران کے دلوں میں محبت کے جذبات موجزن ہوں گے۔

امت کی وحدت اور فرقہ واریت کی لعنت

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: ۹۲)

”(ان تمام رسول کے ذریعہ ہم نے جو تعلیم دی تعلیم تھی وہ یہی تھی کہ) اس رسولوں کی امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے۔ (الگ الگ دین اور الگ الگ گروہ بندیاں نہیں ہیں) اور میں ہی تم سب کا تن تنہا رب اور پروردگار ہوں۔ پس چاہیئے کہ میرے ہی بندگی کرو، اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جائو۔“

سورہ انبیاء میں حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہا السلام) کی دعوت کا ذکر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ۔ پھر حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب کا ذکر مبارک اس کے بعد حضرت داؤد، حضرت سلیمان کی دعوت، اس کے بعد حضرت ایوب، حضرت اسماعیل، حضرت ادریس، حضرت ذی الکفل، حضرت یونس، حضرت زکریا، حضرت یحیٰ، سیدہ مریم اور اس کے فرزند حضرت عیسی (علیہ السلام اجمعین) کا ذکر کرنے کے بعد ان سب کے لئے کہا گیا کہ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ ”ان سب کو لوگوں کا رہبر بتادیا اور یہ سب ہمارے حکم اور ہماری وحی کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کرتے تھے۔“اِنَّهُمْ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ”یہ سب بھلائیوں میں سبقت کرتے تھے اور امید وخوف میں ہمیں ہی پکارتے تھے اور پھر فرمایا کہ یہ سب ایک ہی امت واحدہ تھے ان کا ایک ہی دین تھا۔ یہ میرے حضور میں سجدہ ریز ہوتے تھے۔“ بعد میں ان کے جانے کے بعد لوگوں نے مختلف راستے گھڑ لئے۔ ایک راستہ کو چھوڑ کر مختلف راستوں پر چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کی امتوں کو ایک امت دیکھنا چاہتے ہیں ان میں وحدت پسند کرتے ہیں۔ ان کو توحید اور عمل صالح کی شاہراہ پر چلنا ان کی مشیت میں شامل ہے۔ یہ تو بہت بڑا المیہ ہو گا کہ کجا کہ ساری امتیں ایک امت میں جمع ہو جائیں مگر یہ آخری امت مصطفیٰ ﷺ بھی ایک امت نہ رہے بلکہ اس میں فرقے، گروہ۔ ٹولے اور جماعتیں بنتی چلی جائیں اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں۔ ایک دوسرے کو گرانے کے لئے وسائل صرف کرتے رہیں آپس میں لڑنے اور تقسیم ہونے کو دین سمجھتے رہیں اور فرقہ پرستی کو نجات تصور کرتے رہیں حالانکہ یہ سراسر گمراہی اور خدا کے غضب اور لعنت کا موجب ہے۔

عروج وزوال کا فطری اصول

اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء: ۱۰۵)

”زمین کی وراثت انہیں بندوں کے حصہ میں آئیگی جو باصلاحیت ہوں گے۔“

اس دنیا پر کسی بھی قوم کو دیکھو۔ نہ زمین کا کوئی بھی حصہ سامنے رکھو جب سے تاریخ جب سے تاریخ نے بتانا شروع کیا ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وراثت کا ایک مسلسل داستان ہے۔ ایک قوم اٹھی، قبضہ کرلیا پھر مٹ گئی۔ پھر اس کی جگہ پر دوسری قوم وارث ہوئی اس کو بھی نیست ونابود ہونا پڑا پھر تیسری قوم آئی اسی کا حشر بھی اس طرح ہوا۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ اس دنیا میں بھی وارث ہونا اور وراثت کو سنبھالنا انسان کی کہانی رہی ہے۔ اب اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ورثہ کو چھوڑنے پر انسان کیوں مجبور ہوتا ہے اور جو وارث بنتے ہیں ان کا کیا حق ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں ایک اصول اور ضابطہ مقرر ہے جو فطرت کے مطابق کام کرتا رہتا ہے۔ وہ فطری اصول

یہ ہے کہ کہ "زمین کے وارث میرے پیدا کیے ہوئے صالح بندے ہوں گے۔"

صالح۔ صلاحیت رکھنے والے، سنوارنے اور سجانے والے بندے۔ نظم و انتظام چلانے والے لوگ، فتنہ، فساد اور بگاڑ سے بچانے والے انسان، نقصان پہنچانے کو بجاء انسانیت کے لئے مصلح اور مفید کام سر انجام دینے والے لوگ۔ زمیں کی وراثت ان اوصاف کے حاملین کو ملے گی۔ یہ اصول تمام آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات تحریر کر دی۔ توراۃ اور انجیل میں بھی یہ ضابطہ طئی کیا گیا کہ زمین اقتدار باصلاحیت لوگوں کو ورثہ کے طور پر مشتمل ہوتا رہے گا یہ اصول عین فطرت کے مطابق ہے اسی کو سنت الٰہی سے تعبیر کیا گیا۔

اور ارشاد ہوا کہ: فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا "اس ضابطہ میں کوئی تبدیلی اور پھیر گیر واقع نہیں ہوگی۔"

اس سے پہلے کہا گیا کہ: فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ "جب قوموں کے بگاڑ کے بعد ان کو سمجھانے اور خطرناک نتائج سے آگاہ کرنے والا کوئی ہادی اور رہبر ان کے پاس پہنچا تو وہ اصطلاح کے بجائے کبر و غرور، نفرت اور مخالفت کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ ان کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ غلط منصوبہ خود ان کو ہی ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ کیا ان کے پاس تاریخ کے ان واقعات کے اور غلط انجام کی خبریں نہیں پہنچی ہیں یا وہ خود برے انجام کا انتظار کر رہے ہیں! سورہ رعد میں فرمایا گیا کہ "یہ چیزیں حق اور باطل میں ٹکراء کی کیفت کے لئے ہے۔" یہاں فرمایا گیا کہ یہ ضابطہ "بقائے اصلح" کا ہے یعنی جو چیز صلاحیت رکھنے والی ہے اور انسانیت کے لئے نفع آور ہے اس کو قائم رکھا جائے گا۔ اور اس کے مقابلہ میں جو چیزیں فساد اور بگاڑ کی موجب ہے اس کو فنا کر دیا جائے یعنی فنائے افسد، اسی احوال مین کائنات کا حسن اور اس کا ارتقاء باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ جنگل میں چھانٹی کرتا رہتا ہے۔ تاکہ باغیچہ کا حسن اور اس کا ارتقاء باقی رہے۔ بیکار کو ضائع کرنا اور کارآمد کو قائم رکھنا اس کی مشیت ہے۔ اس میں انسانیت کے لئے رحمت اور شفقت ہے فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ "جب بگاڑ کو مٹانے اور "اصلح و انفع" کو قائم رکھنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ تو فصلہ حق کی بنیاد پر ہوتا ہے ایسے حالات میں باطل پرست انسانوں کو تباہی اور بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

قرآن مجید کہتا ہے کہ اس خدائی ضابطہ کا انکار کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ زمین و آسمان کا نظام اس پر قائم ہے۔ اگر فساد، بگاڑ اور ظلم کو نہ مٹایا جائے تو یہ دنیا درہم و برہم بن جائے گی۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ

"اگر حق کا فیصلہ انسانوں کی خواہشوں کے مطابق ہونے لگے تو آسمانوں، زمین اور جو کچھ اس میں اس موجود ہے وہ سب کچھ تباہ برباد ہو جائے۔ مگر ہم تو ان کو ہدایت کو راستہ دکھاتے ہیں اور درست فصیلہ سناتے ہیں مگر یہ لوگ اس سے منہ موڑتے ہیں۔"

قوموں، حلقوں اور حکومتوں کے لئے بھی یہی ضابطہ خداوندی ہے کہ وہ نفعہ آور نہیں ہوں گے تو مٹا ئی جائیں گی۔ اگر ہمیشہ کے لئے اقتدار ایک گروہ کے حوالے کیا جائے اور وہ فساد پر اتر آئے تو یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں رہے گی بلکہ یہ دنیا او ممالک کنڈرات اور ٹیلوں کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ اور انسانوں کی صرف کھوپڑیاں اور ہڈیاں ہی نظر آتے۔ مگر اس دنیا کو دفاعی قانون اور "بقاء اصلح" کے اصول پر قائم رکھا گیا ہے۔ جو قوم نافع ہے وہی حق وراثت رکھتی ہے جو نفعہ آور نہیں رہے گی تو وہ باطل ہے۔ چاہے اس کا نام کتنا ہی اچھا

ہو۔اس کی ماضی کتنی بھی شاندار کیوں نہ ہو، ان کے بڑے کتنے ہی پاکباز کیوں نہ ہوں، یہ سب چیزیں اس کو مٹانے سے نہیں بچاسکتے۔

قرآن مجید نے اس آخری امت کو "خیرامت، شھداء علی الناس، اخرجت للناس" کے اوصاف سے متصف کیاہے مگر یہ امت صراط مستقیم کی پٹڑی سے اترتی چلی گئی۔ زوال تیزی سے آنا شروع ہوا۔ ملوکیت، دربارشاہی، نفاذ قانون میں بڑے اور چھوٹے کافرق، دولت کی لوٹ مار، جاگیر داری کانظام، بیت المال کو ذاتی مال سمجھنا، وسائل پر چند افراد کا تسلط، جب دنیا میں ڈوب جانا اور قتل وغارت گری کی بازار گرم کرناوغیرہ وغیرہ۔

توپھر یہ امت طوائف الملوکی، انتشاری اور تقسیم کے عذاب کے بعد کفار کی غلام بن کر رہ گئی۔ آج یہ امت کفار کی سرپرستی میں زندگی گذار رہی ہے۔ رسوائی سے نہ عالم اور مشائخ محفوظ ہیں۔ نہ حکمران اور دولت مند! فاعتبروا یا اولی ابصار

قیامت کازلزلہ

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (الحج:۱)

"لوگو! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرو۔ یقین کرلو کہ آنے والی گھڑی (روز قیامت) کا بھول بڑا سخت واقعہ ہوگا۔ جس دن ہو گھڑی آکر موجود ہوگی اس دن کسی کو کسی کاہوش نہیں رہے گا۔ دودھ پلانے والی مائیں اپنا دودھ پیتا بچہ بھول جائیں گی۔ حاملہ عورتیں وقت سے پہلے اپنا حملہ گرادیں گی۔ لوگوں کو تم اس حال میں دیکھوگے کہ وہ نشے کی حالت میں ہوں گی۔ مگر وہ نشہ نہیں ہوگا۔ مگر اللہ کے عذاب کی شدت بڑی ہولناک ہوگی۔"

زمین کے اندر کاحصہ نہایت گرم رہنے والا حصہ ہے۔ جس کا اظہار کبھی کبھی پہاڑوں سے نکلنے والی آگ کی صورت میں ہوتاہے یہ آگ زمین کو متاثر کرتی ہے اورایک خوفناک آواز سننے میں آتاہے۔ زمین دھڑکنے لگتی ہے۔ ہم سرخ مائل پردے پر آبادے ہیں۔ جس کو فقط بچاکر کلو میٹر ایک پتلا پہاڑ تہہ ہم کو جدا رکھے ہوئے ہے یہ زمین سے مقابل میں اس طرح ہے جس طرح سپ پر پتلی کا کھال۔ ایک جغرافیہ ماہر کے قول کے مطابق ہمارے آباد شہروں اور سمندروں کے نیچے ایک قدرتی دوزخ جل رہاہے۔ ہم ایک بڑی ڈائنامیٹ میپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ تاریخ میں جو بڑے بڑے زلزلے رکارڈ کیے گئے ہیں تووہ بھی ایک نمونہ کی قیامت تھے۔ لاکھوں انسان، جوپائے، پرندے، چرندے اس طرح پڑے پڑے نظر آتے جیسے کسی سمندر کے کنارے مردہ مچھلیوں کے ڈیر نظر آتے ہیں۔ انسانی علوم نے بڑی ترقی کی ہے مگر اب تک انسان کو یہ معلوم نہیں ہوسکتاہے کہ زلزلے کب اور کہاں آئے گا؟ اس معاملہ میں وہ قدرت کے آگے بے بس ہے۔ مگر اب تک وہ یہ نہیں سمجھ سکاہے کہ انسانوں کے مشاہدے کے لئے کائنات کانظام کے چھوٹے چھوٹے زلزلے سے تلپٹ کردیتاہے توکیااس کے لئے مشکل ہے کہ ایک زلزلہ آپ کے سامنے ظاہر ہوجس کے بعد دنیامیں ہر چیز فناکے گھاٹ اترجائے۔ اسی کانام قیامت کی گھڑی ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝٢٦ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

مفاد والی عبادت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ (الحج: ۱۱)

"اور دیکھو! کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر دل کے جماؤ سے نہیں اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہو گئے۔ اگر کوئی آزمائش آگئی تو الٹے پاؤں اپنی کفر کی حالت پر لوٹ پڑے۔"

خدا کی بندگی کے لئے یکسو ہونا ضروری ہے۔ آپ فیصلہ کرلیں کہ مجھے خدا کا بندہ بن کر زندگی گذارنی ہے۔ میں نے سب سے تعلق توڑ کر فقط خدا سے ہی رابطہ کرلیا، ایسے انسان کے دل ودماغ پر اللہ تعالیٰ ہی چھایا رہے گا۔ ایسا شخص اپنے آپ کو اسلام کو حوالے کر دیگا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز اس کے لئے ثانوی حیثت کی ہو گی۔ ایسا شخص ہی پکا مؤمن ہے۔ اس کی عبادت اطمینان قلب کا باعث اور بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے۔ ددسرا شخص ایسا ہو کہ اوپر دین کو قبول کرلے مگر اس کی دلچپسی اپنے مفادات سے وابسہ رہے۔ ان کی عبادت بی مفاد سے وابستہ ہو گی۔ وہ عبادت کے روح تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ فقط رسمیں ادا کر رہاہے۔ جب ذاتی مفادات کا معاملہ آئے گا تو وہ عبادتوں کے ڈھونگ سے اس طرح کنارہ کش ہو جائیگا جیسا کہ یہ کبھی اس طرح آیا ہی نہیں تھا خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ اس انسان کی نہ دنیا رہی کہ اس کو مخلص نہیں بلکہ منافق کہا جائے۔ ناقابل اعتماد شخص۔ اور اس کی آخرت بھی برباد ہوگئی کیونکہ وہ خدا سے مخلص ہی نہیں تھا۔ تو ایسا شخص سراسر گھاٹے کے سودے میں رہا۔

عمل وہی مقبول جو اخلاص کے ساتھ ہو

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ (الحج: ۳۷)

"یادرکھو! اللہ تعالیٰ تک ان قربانیوں کا نہ گوشت پہنچتا ہے نہ خون۔ اس کے حضور جو کچھ پہنچتا ہے وہ تو صرف تمہارا تقویٰ ہے۔ (یعنی تہارے دل کا اخلاص اور سچائی)۔"

یہ آیت کریمہ ظاہری طور ہر تو جانوروں کی قربانی سے متعلق ہے مگر اس میں اسلام کی عبادت کا فلسفہ اور اس کی روح پوری طرح موجود ہے۔ فرمایا گیا کہ قربانی کا عمل جو تم کرتے ہو تو ظاہری طور پر تم نے ایک جانور کو ذبح کیا۔ خون بہایا اور گوشت حاصل ہوا تو یہ خون اور گوشت تو خدا کو نہیں پہنچتا، ہاں اس قربانی کرنے وقت جو تم رضا الٰہی پیش نظر رکھئے ہو اور اس عمل میں اخلاص اور صداقت جو دل میں موجود ہوتی ہے۔ وہی چیز خدا کے ہاں مقبولیت کا درجہ پالیتی ہے۔

اب یہ فلسفہ تقویٰ اور اخلاص صرف قربانی تک محدود نہیں بلکہ تمام عبادات اور تمام اعمال، ان انسانون کے ساتھ تمام روپے اگر رضا الٰہی کے خاطر ہوں گے۔ اس میں اخلاص اور جذبہ اخوت و محبت ہو گا

تواس کے اجر کا کیا کہنا۔ دنیا میں سکون قلب اور اطمینان کی کیفیت سے انسان مال دار ہو گا اور آخرت میں انعام واکرام سے نوازا جائیگا۔ مگر ہر عمل اگر اخلاص اور قلبی جذبہ سے خالی ہو گا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ عمل پھول تو ہے مگر اس میں خوشبوں نہیں ہے۔ وہ جسم تو ہے مگر روح نہیں ہے۔ ارشاد پیغمبر ﷺ ہے کہ: انما اعمال بالنیات ”تمام اعمال کی قبولیت نیت اور ارادے پر ہے۔“ نیت ایک بنیاد ہے اور عمل اس سے پیدا ہونی والی چیز!

اللہ تعالیٰ تمام اعمال میں ظاہری پہلو پر نگاہ نہیں کرتا۔ بلکہ اندرونی کیفیت پر اس کی نگاہ رہتی ہے۔ مثلاً نماز کے لئے اچھا لباس پہن کر، عطر لگا کر اور نہایت آہستہ آہستہ ادا کرتا ہے مگر ریاکاری کا جذبہ موجود ہے تو وہ پوری نماز اکارت ہو جائے گی۔ مگر سادہ کپڑوں میں جذبہ اطاعتِ خداوندی کے ساتھ، اس کا قرب اور اجر حاصل کرنے کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کی مقبولیت کا کیا کہنا؟

نظریاتی جماعت کا انتخاب

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ (الحج: ۷۸)

” اور اللہ کی راہ میں کلمہ حق کو بلند کرنے کی خاطر اپنی جان لڑادو اس کی راہ میں جان لڑادینے کا جو حق ہے وہ پوری طرح ادا کرو اس نے تمہیں اس عظیم سعادت کے لئے منتخت کیا ہے۔“

دین کو سیاسی طور پر اقتدار دینے یعنی حاکمیتِ خدا کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں میں ایک عظیم الشان پیغمبر ﷺ کا انتخاب فرمایا یعنی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پھر ان کے ساتھ جس جماعت کو معاون اور مددگار ساتھی کے طور پر منتخب کیا وہ صحابہ کرامؓ کے مقدس جماعت تھی۔ ان میں وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ سر فہرست ہیں۔ یہی مقدس جماعت حزب اللہ ہے جن میں ایک ایک فرد کو اللہ تعالیٰ نے چن کر آخری پیغمبر ﷺ کی انقلابی اور نظریاتی جماعت میں شامل ہونے کی سعادت بخشی ان لوگوں نے خدا کی مرضی کو احسن طریقہ پر پورا کیا اور حضرت رسول اکرم ﷺ پر اخلاص کے ساتھ اپنی جانوں اور مالوں کی قربانیوں کے ساتھ فدا کار ہو گئے ان لوگوں نے حبش کی طرف پہلی ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف دوسری ہجرت کی۔ ان لوگوں کے ذریعہ بدر، احد، خندق، خیبر اور حنین کی لڑائیاں لڑی گئیں۔ ان مقدس انسانوں کے ساتھ فتح مکہ کا معرکہ کامیاب ہوا۔ تا آنکہ جزیرۃ العرب میں اسلام کی حاکیت کا اعلان ہوا۔ شرک وکفر کے بت خانے نابود ہو گئے۔ پھر ان ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی پر متمکن فرمایا چند سالوں کے اندر طاغوتی قوتیں پائمال ہو گئیں اور وعدہ الٰہی پورا ہوا کہ: هلك قيصر فلا قيصر بعده هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده ”ایران وروم کی طاغوتی حکومتیں فنا ہو گئیں اور پھر کبھی قیصر وکسریٰ نہیں ابھر سکے گا۔“ ایسے ہی عظیم منتخب بندون کے لئے فرمایا گیا: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

اسلام کے غلبہ کے لئے داعی حق، نظریہ اعلاء کلمۃ اللہ اور ایک مجاہدین کی نظریاتی جماعت کا قیام لازمی امور ہیں۔ اور پھر ان کی شفاعت جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اگر نام کے مسلمان ہوں مگر حب دنیا میں گرفتار ہو کر جان اور مال کی فداکاری پر آمادہ نہ ہوں تو ایسے لوگوں کو ہر گز نفرت اور غلبہ نہیں دیا جاتا۔ بلکہ

منصب امامت سے ہٹایا جاتا ہے۔ ظاہری طور پر دینداری کے کیسے بھی لباس پہننے چاہئیں۔ کیسے بھی دعوت کئے جائیں مگر یہ لوگ "حاملین قرآن اور متبعین رسول" نہیں ہوں گے اور یہ "اصحاب رسول" کے راستہ سے منحرف ہو چکے ہیں۔

ایمان کے اوصاف، دیانتداری اور واعدہ وفائی

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون: ۸)

"اہل ایمان کی پہنچان یہ ہے کہ وہ اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں"

امانت کی حفاظت کرنا اور واعدے کو وفا کرنا، انسانی اخلاق کی اعلیٰ قدریں ہیں۔ اسلام نے عبادات کے ساتھ معاملات کو بھی دین کا حصہ قرار دیا ہے۔ اہل ایمان کے اوصاف میں جہاں عبادات کی ادائگی، عبادتوں میں خشوع و خضوع، خواہشات نفس کو ٹھکراتے، اور لغویات سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے تو اس کے ساتھ امانتوں کی حفاظت ان کو حقداروں تک پہنچانے سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے تو اس کے ساتھ امانتوں کی حفاظت ان کو حقداروں تک پہنچانے اور واعدوں کو پورا کرنے اور ان کو روح تک صرف کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔

کسی بھی انسان کے مسلمان ہونے کا فائدہ عام انسانوں کو ان کی عبادتوں سے نہیں پہنچے گا بلکہ اخلاق اور معاملات میں بہترین رویہ رکھنے سے پہنچ سکتا ہے۔ تم میں بہتر مسلمان وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہیں، یہی قول رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ خود سرکار رسالت مآب ﷺ کی امتیازی وصف "الصادق الامین" ہے اور اسی کردار کو نبوت کے دلائل کے طور پر پیش کیا گیا ہے ہم عام مسلمان دیانتداری، صداقت، شرافت اور واعدہ وفائی کو معمولی عمل سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مگر اسلامی معاشرہ کی بنیاد اپنی اوصاف عالیہ پر رکھی گئی ہے۔ مسلمان اگر ان اوصاف میں کمزور پڑ گئے تو پھر دنیا میں ان کا کوئی وقار اور قدر نہیں ہو گا۔

آج مجموعی طور پر امت مسلمہ اور ان ممالک کا جن میں مسلمان اکثریت میں رہتے ہیں، ان کی حالت دیکھی جائے تو دنیا بھر میں تجارتی اور سیاسی معاہدوں میں، مذاکرات اور معاملات میں، قول و قرار میں اور انفرادی اور اجتماعی امور میں۔ ہمیں مطعون کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ قابل بھروسہ اور قابل اعتماد نہیں رہے۔ آخر ہمارے یہ صورت حال کیوں کر ہے؟ ہم کیوں دنیا کو راستہ دکھانے کے بجائے خود ہی ظلمات کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہیں ہیں؟

وسعت کے مطابق ذمہ داری

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ (المومنون: ٦٢)

"اور ہم کسی انسان پر ذمہ داری نہیں ڈالتے مگر اتنی ہی جتنی اس میں طاقت یعنی استعداد ہے ہمارے پاس اس حالت اور استعداد کے لئے ایک لکھی ہوئی چیز جو حقیقت حال کے مطابق فیصلہ کرتی ہے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ مہربان، رحم کرنے والا اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ ہر چیزیں میں سہولتیں پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو ان کی برداشت کی قوت سے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالتا۔ شرعی احکامات میں معقولیت اور فطرت کے اصولوں کے مطابق نہایت دانائی، انسانی مزاج اور طبیعت کو سامنے رکھتے ہوتے ایک ضابطہ تیار کرکے دیا گیا ہے۔ قرآن مجید جو رہنمائی کی کتاب ہے۔ پیغمبر ﷺ کی حکمت کی باتیں جو عمل کی راہ دکھاتی ہیں، ان کے ذریعہ ایک ایسی زندگی گذارنے کی تلقین کی گئی ہے جس سے انسان ایسا محسوس کرتا ہے جیسا کہ وہ آزاد مرضی سے، خوش دلی کے ساتھ بلا کسی جبر واکراہ کے زندگی گذار رہا ہے۔ انکو ہر لمحہ سکون اور اطمینان میسر ہو رہا ہے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن مجید کے ضابطہ حیات سے باہر جو زندگی ہے وہ فتنہ وفساد، جنگ وجدال اور انتقامی جذبات کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی ہے۔ جس سے زندگی کی ساری رعنائیاں اور حسن مطلق فنا نظر آتا ہے۔

دعوت حق کیلئے مالی مفاد

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (المؤمنون:۷۲)

"کیا تم دعوت حق کے مقابلے میں ان سے کوئی مفاد چاہتے ہو۔ تمہارے لئے تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال بہت بہتر ہے۔ وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔"

پیغمبر ﷺ اپنے مخاطبین اور مدعوین سے دعوت حق پہنچانے کے بدلے کوئی مالی مفاد حاصل نہیں کرتے۔ داعی اور مدعو کا تعلق نہایت نازک ہوتا ہے اگر حق دعوت کی پیش کی جائے اور پھر اس کے بدلہ میں دنیا کی کوئی فرض اور لالچ طلب کی جائے تو ایسی دعوت ایک مذاق بن جائیگی۔ اس لئے حضرت پیغمبر علیہ السلام نے صاف صاف اعلان فرمایا کہ:

مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ "میں حق بات پہنچانے پر آپ سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔" داعی کا حق پر قائم رہنا اور اس کو پیش کرتے رہنا ہی اصل اجر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے رضا کی صورت میں اس کو عطا کیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید داعی کے روح کی غذا بن جاتی ہے۔ اس سے ہی اس کو اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ ساری دنیا کے مال ومتاع اور دولت کے مقابلہ میں، خدا تعالیٰ کا ایک جلوہ ایک عظیم نعمت ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو "مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کا مشاہدہ کرایا گیا۔ حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو "لنریہ من آیاتنا" اور "ولقد رئ من آیاته ربه الکبریٰ" کی سعادت سے نوازا گیا۔ داعی حق اور ان کے پیروکاروں کو "قرب باری تعالیٰ" ایک بہت اجر ہے جس کے ساتھ کوئی چیز برابر نہیں کر سکتی۔

اسلام میں مسجد کی اہمیت

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (النور: ۳۶)

"یہ روشنی ایسی گھروں میں ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا نام بلند کیا جائے

اور اس کے نام کا بار بار چرچا کیا جائے۔"
انسان کے جسم میں جو مقام دل کو حاصل ہے وہی مقام مسلم معاشرہ میں سجد کو حاصل ہے۔ انسان کے قلب میں ایمان قرار لیتا ہے۔ مسجد میں خدا کی عبادت کرنے سے ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت تن تنہا کرنا اس کو پسند نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب مسلمان جمع ہو کر ایک جگہ پر اجتماعی طور پر عبادت کریں۔ نظم اور اجتماعیت خدا کو مطلوب ہے۔ جس جگہ پر سب مل کر معاشرہ کا تعارف اور اس کا شعار ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "مومن کا دل مسجد سے معلق رہتا ہے۔" وہ عبادت کر کے مسجد سے نکلتا ہے تو پھر ضروری امور سے فارغ ہوتے ہی پھر مسجد کا رخ کرتا ہے تاکہ اس کو سکون قلب ملتا رہے۔
مؤمن کے لئے مسجد اس طرح ہے جس طرح مچھلی کے لئے پانی اور منافق کے لئے مسجد اس طرح ہے جس طرح پرندہ قفس میں، مچھلی ہر وقت پانی کی تلاش میں رہتی ہے اور پرندہ قفس سے نکلنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ فرمایا گیا کہ "جس شخص کو دیکھو کہ ہر وقت وہ مسجد میں نظر آتا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔" (الحدیث) ہر شخص کو اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیئے کہ وہ کس قدر مسجد میں عبادت کرنے کا عشق رکھتا ہے۔

خلافت ارضی کا حاصل ہونا

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
(النور:۵۵)

"جو لوگ تم میں سے ایما میں مضبوط ہیں اور ان کے عمل بھی اچھی ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو ضرور زمین کی خلافت (سیاسی اقتدار) عطا فرمائی گا۔"

دنیا میں دین کو سیاسی طور پر غلبہ عطا کرنے کا واعدہ سب سے پہلے حضور کریم ﷺ کے ساتھ پورا کر دیا گیا۔ ان کی زندگی مبارک میں جزیرۃ العرب میں شرک و کفر اور انسانوں کا بنایا ہوا طاغوتی نظام نیست و نابود کر دیا گیا اور عملی طور پر سیاسی اقتدار سرکار رسالت مآب ﷺ کو عطا ہوا۔ وصال مبارک کے بعد آپ کے چار برگزیدہ جانشینوں کو، جن کی کامل تربیت کی گئی تھی، خلافت ارضی عطا کی گئی۔ جن میں صدیق، فاروق، ذی النورین اور مرتضیٰ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) شامل ہیں۔ یہ خلافت علی منہاج النبوۃ تھی۔ اس طرح پہلے دور میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔ یہ آیت کریمہ مدینہ کے دور میں، ان حالات میں نازل ہوئی تھی جب کہ امت مسائل اور مشکلات میں گھری ہوئی تھی۔ دور دور تک خلافت ارضی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ مگر صحابہ کرامؓ کو اس وعدہ کا یقین کامل تھا۔ چند سالوں میں ہی حالات تبدیل ہوئے گئے۔ اور کائنات نے اس کا مشاہدہ کر لیا کہ دنیا میں موجود دو طاغوتی نظام روم اور فارس ملیامیٹ ہو گئے۔ خدا کا واعدہ آنکھوں سے دیکھا گیا۔ اب آیندہ کے لئے امت مسلمہ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا خلافت ارضی کا واعدہ موجود ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ "تم دنیا میں سر بلند رہو گے سیاسی غلبہ تمہیں حاصل ہو گا اگر تم ایمان پر مضبوطی سے قائم رہو گے" اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ "امت

مسلمہ افتراق وانتشار سے مکمل اجتناب کرے، ایمان عمل صالح اوراستقامت سے کھڑی ہو جائے۔ صالحیت اور صلاحیت کے جوہر سے متصف ہو جائے جہاد اورانفاق فی سبیل اللہ کار بند ہو جائے، توحید پر قائم ہو کر، انسانوں پر سے غلامی کے طوق توڑ ڈالے، عملی طور پر صحابہؓ کی طرح شب وروز مصروف عمل بن جائے تولازمی طور پر اور یقینی طور پر ان کو خلافت ارضی عطا کی جائے گی اوران کو پوری دنیا میں سیاسی غلبہ دیا جائے گا۔ مگر انتشار اورافتراق کی صورت میں، اگر یہ امت مرکزیت اوراجتماعیت سے محروم ہوگئی۔ فرقوں، ٹولوں ،گروہوں، اور جماعتوں میں تقسیم در تقسیم کے مشرکانہ عمل میں گرفتار ہوگئی، اپنے اوپر ملوک، بادشی، فوجی جنرل اور عیاشی منافق حکمرانوں کو مسلط عوام پر ظلم وزیادتی دیکھتے رہے۔ ان کو وسائل رزق سے محروم کرنے کے مناظر ان کے سامنے رہے اوروہ مجموعی طور پر اس پر خاموش رہے بلکہ حکمرانوں کے درباروں میں جو حضوری کرنا ان کا شیوہ رہا تو ایسے لوگوں کو خلافت اور غلبہ دینا تو دور کی بات ہے ایسے نام نہاد مسلمانوں کو غلامی ،ذلت، اعداء اسلام سے مالی منافع طلب کرنے اوران سے خوف زدہ رہنے اور باہمی دشمنیوں جیسے مختلف عذابو ں سے دوچارہ کر دیا جائیگا۔ اور دنیا میں ذلت وبربادی کی زندگی گذار کر عبرت کا نشانہ بن جائیں گے۔

خلافت کا نظام حکومت، اصل میں قرآنی حکومت کا قیام ہے۔ نبوت کے دور کے بعد، مدینہ کے اہل ایمان، توحید پر پختہ رہ کر، شرک کی ہر صورت کو نابود کرکے، امت وحدہ بن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی استعداد، صلاحیت، پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خلافت عطا فرمایا۔ یہ خلافت دین کی مضبوطی، اس کا قیام، خدا پرستی، طاغوت کا استحصال جیسے اہم اہداف رکھتی تھی۔ شرک کے ظاہری اور باطنی کیڑے جن میں نفس پرستی، مفاد پرستی، حب دنیا اور حب اقتدار آجاتے ہیں، خلافت کا نظام ان سے پاک صاف تھا۔ پھر آگے چل کر جب اس جماعت میں انتشار پیدا ہو وحدت کے بجائے گروہ بندی نظر آنے لگی، توحید میں کمزوری آتی گئی اور شرک کے جراثومے پلنے لگے نظام ربوبیت، رب الناس، نظام حاکیت (ملك الناس) میں دراڑیں پڑ گیں۔ موحدیں کی جماعت اپنے اصل رنگ (صبغت اللہ) کو گم کر بیٹھی تو ان سے یہ سعادت چھین لی گئی۔ اسلام اور مسلمان مگر قرآن حکومت موجود نہیں تھی۔ اسلام میں حسب ونسب کے نظریے ایجاد ہوئے، غیر اہم باتیں بنیادی حیثیت اختیار کرتی گئیں۔

اسلام کی تعلیم میں مورثیت اور حاکمیت کا تصور فقط کتابوں میں رہ گیا۔ قرآن مجید کا تصور دیں محدود کرکے فقط "الہ الناس" تک سمجھا گیا۔ خدا رب بھی ہے اورانسانوں کی کفالت کے لئے وسائل رزق عدل چاہتا ہے۔ خدا حاکم بھی ہے انسانوں کو آمر مطلق بننے اور لوگوں پر مسلط ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ یہ تصورات امت کے معاشرہ سے خارج ہوگئے اب صرف خدا کو معبود قرار دیا گیا اور مساجد میں اس کے سامنے رسوم عبادت تک دین محدود ہو کر رہ گیا۔ پھر صدیاں اس طرح امت مسلمہ پر گذر گئیں۔ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا نظام حکومت ایک بھولی بسری کہانی ہے۔ شاید معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا نظام حکومت ایک بھولی بسری کہانی ہے۔ شاید یہ نظام اسلام نے دیا بھی یا نہیں؟

اصحاب رسول ﷺ اور مدینہ کی پہلی اسلامی حکومت کو اگر نمونہ عمل نہیں بنایا گیا تو یہ معاشرہ فسق وفجور اور شرک وکفر کے مناظر کے ساتھ موجود ہو گا۔ اور پھر ہم جاہلیت کے دور میں واپس چلے جائیں گے۔

اور اس بات پر بھی توجہ دینی ہوگی اور یقین کے ساتھ سمجھنا ہو گا کہ قرآنی معاشرہ کے قیام یا ایک اسلامی

حکومت کے نظام کے احیاء کے لئے اس نہج کی جدوجہد کرنی ہو گی اور وہ طریقہ کار اپنانا ہو گا جو آخری پیغمبر علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں نے اختیار کیا تھا۔ ایمان کامل، وحدت امت، اطاعت قائد، جہاد اور انفاق۔ ان راہوں پر چلنے کے علاوہ جو بھی جعلی اور خوف ساختہ راہ اختیار کی گئی تو وہ ایک طرف قرآن و رسول ﷺ کی مخالفت ہو گی دوسری طرف اس راہ سے قرآنی معاشرہ کی منزل حاصل نہیں ہو گی۔

رحمان کے بندوں میں عاجزی اور انکساری

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان: ۶۳)

”اور رحمان کے بندے (جن پر خدا کی رحمت کا عکس ہوتا ہے) ایسے رحمدل اور رحم طینت بندے ہوتے ہیں کہ زمین پر عاجزی اور انکسار کے ساتھ چلتے ہیں۔“

چلنے پھرنے میں بھی انسانی شخصیت کی بھرپور ترجمانی نظر آتی ہے۔ جن انسانوں کا تعلق رحمان ذات اقدس سے ہو جاتا ہے۔ ان کے چلنے پھرنے کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا نہ صرف چلنا پھرنا بلکہ انسانوں کے ساتھ برتاؤ بھی ایسا ہوتا ہے کہ جس سے عبدیت کا اظہار ہوتا ہے۔ خدا کے بندوں کا اگر ایسا رویہ بن جائے تو وہ کسی سے الجھ نہیں سکتے۔ مگر داعی حق کے فرائض ادا کرتے ہوئے کبھی کبھی مزاحمت بھی کرنی پڑتی ہے۔ فتنہ کو مٹانے کی خاطر کبھی جنگ کا مرحلہ بھی آجاتا ہے مگر اس وقت بھی رحمان کے بندے اعتدال و توازن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اگر مخالفین الزام تراشی پر اتراتے ہیں تو یہ بندے سلام کر کے پہلو تہی کرتے ہیں، جواب جاہلاں خاموشی ”وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا“ رحمان کے بندوں کے اوصاف میں مخاطبوں کے ساتھ ہمدردی خیر خواہی اور راتوں میں ان کی ہدایت کے لئے دعائیں کرنا بھی شامل ہے پھر محروموں کے حقوق کی پاسداری اور ان کے مصائب میں کام آنا بھی شامل ہے۔

اسلام کی بہترین دعوت پیش کرنے میں مدعوین کی ہمدردوں اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آنا، دعوت کے قبول کرنے میں موثر طریقہ ہے۔

نیکی گناہ کا کفارہ ہے

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط (الفرقان: ۷۰)

”مگر جن شخص نے گناہ سے رجوع کیا، ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکوں سے تبدیل کر دیتا ہے۔“

انسان بنیادی طور پر کمزور، خطا اور نسیان کا پتلا ہے۔ اس لئے ان سے خطائیں تو ہوتی رہیں گی۔ وہ کبھی خواہش نفس کے آگے کمزور ہو جاتا ہے کبھی شیطان کے دھوکے سے مار کھا جاتا ہے۔ کبھی خطا اور بھول سے گناہ کر بیٹھتا ہے۔ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو بار بار مواقع دیتا رہتا ہے کہ وہ گناہ کر کے رب کی طرف پھر پلٹ آئے۔ توبہ کی معنی ہی یہ ہے کہ اس کے حضور میں واپس آجانا۔ عاجزی سے معافی طلب

کرنا۔ توبہ کرنے والے بندے خدا کو بہت پیارے لگتے ہیں۔ معاف کرنے میں وہ بہت زیادہ شفیق اور مہربان ہے۔ پھر یہ بندہ جب نیک اعمال کرنا شروع کرتا ہے تو اس کی مہربانی ایسی ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف گناہوں کو معاف کر دیتا ہے بلکہ ان کے گناہوں کو بھلائیوں میں بدل دیتا ہے۔ گویا تم گناہ کرنے کے بعد نیکی کرنے میں لگ جائو تو یہ گناہ نیکی میں تبدیل ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”خطاکار بندہ یہ یقین رکھتا ہے کہ میر اایک مولیٰ اور رب رحمان ہے جس کے سامنے عجز کے ساتھ حاضر ہو جائوں تو وہ مجھے معاف فرمائیگا۔“ تو میں ایسے خطاکار جو پشیمان ہو کر حاضر ہوتا ہے، تو کیوں نہ اسے معاف کر دوں۔

گمراہ کرنے والے لیڈر

وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ (الشعراء: ۹۹تا۱۰۰)

”اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں (لیڈروں) نے ہی گمراہ کر ڈالا اور آج ہمارے لئے کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے۔“

فرمانبرداروں کے لئے جنت اور نافرمانوں کے لئے جہنم تیار کیا گیا ہے۔ انسانوں سے یہ دونوں گھر کچھ زیادہ دور نہیں ہیں۔ فقط ایک پردہ موجود ہے۔ جوں ہی یہ پردہ ہٹایا جائیگا تو ایک طرف جنت سامنے ہو گی تو دوسری طرف جہنم نظر آئے گا۔ دنیا میں انسان ان حقیقتوں کو ناممکن بات سمجھتا ہے مگر وہ ان دونوں گھروں کے کنارہ پر پہنچ چکا ہے۔ فقط پردے کے ہٹنے کی دیر ہے۔ نافرمان قیامت کے روز کہیں گے ہمیں ان کرپٹ اور اقتدر کے حریص لوگوں نے سیدھی راہ سے ہٹایا۔ ”مجرمین“ سے مراد وہ سردار، نواب، سیاسی لیڈر، دولت مند اور بااختیار لوگ ہیں جو اپنے الفاظ کی جادوگری، دولت اور اختیار کی بازی گری کے ذریعہ لوگوں کو اپنے دامن تزویز میں لاتے تھے۔ یہ خود اس لئے کے مخالف تھے کہ حق قبول کرنے سے ان کی بڑائی، سرداری اور اقتدار خطرہ میں پڑتا تھا۔ اور لوگوں کو اس لئے گمراہ رکھتے تھے کہ وہ ساری عمر ان کے غلام بن کر رہیں۔ کیونکہ ان کی چودہراہٹ، نوابی اور آقائی ان لوگوں کے غلام بنے رہنے سے قائم رہے گی۔

عوام اپنی کم عقل اور شعور کو استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ان بڑے لوگوں کو خدائی مرتبہ دتیے ہیں۔ وہی مرتبہ دیتے ہیں جو خدا کو دینا چاہیے یجعلونھم مطاعا کما یطاع امر العٰلمین ان کی اطاعت رب کی طرح کرتے ہیں۔ مگر قیامت کے روز حقیقت کھل جائیگی اور اقتدار اختیار اور دولت کا نشہ اتر جائے گا کہ کہیں گے کہ ان بڑے مجرموں نے، ان بڑے لیڈروں نے، ان ملک کے صدروں اور ویزاعظموں نے ہمیں بازیگری سے بے وقوف بنایا اور آج ہم ان کی وجہ سے عذاب کی ذلت سے دوچارہ ہو چکے ہیں۔

پریشانی کی حالت میں دعا

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (النمل: ٦٢)

”اچھا یہ تو بتاؤ کہ: وہ کون ہے؟ جو بے قرار دلوں کی پکار سنتا ہے۔ جب ہر طرف سے مایوس ہو کر

اسے پکارنے لگتے ہو تو وہی درد دکھ ٹال دیتا ہے۔"

عام طور پر تو انسان دعائیں مانگ رہا ہوتا ہے۔ اپنی ترقی، خوشحالی، کاروبا میں اضافہ اور سروس میں پروموشن وغیرہ کے لئے تو بارگاہ ایزدی میں عرض کرتا رہتا ہے۔ مگر ایک کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب کی شدید پریشانی اور ناگہانی مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ تو اس وقت دل مضطر لے کر خدا کے حضور میں نہایت عجز وانکسار کے ساتھ آنکھون سے آنسو ٹپکاتے ہوئے کچھ کہہ دیتا ہے پھر پیشانی سجدہ میں رکھ کر امید اور خوف کی حالت میں رب رحمان سے کچھ کہہ گذر دتیا ہے۔ اس وقت دعا کی لذت، سرور اور توجہ کی دنیا کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ بس ایسے منظر میں دعا کی قبولیت بالکل سامنے آجاتی ہے اور آپ دل بے قرار سے کچھ کہیں اور وہ ذات حق قبول کرنے کے لئے آگے آجاتی ہے۔ پھر ایک آہ ایک صدا، ایک ترپ جب عالم پریشان میں نکل جائے تو سمجھ لیں کہ دعا نے شرف قبولیت حاصل کر لیا۔

اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ "کوئی پریشان حال آئے تو میں اس کے صدا کو قبول کرلوں" اس طرح مظلوم کی دعا یا آہ! ایک ایسا تیر ہے کہ جو فوری ظالم کے سینے میں آرپار ہو جاتا ہے اتق دعوة المظلوم مظلوم کی آہ سے بچو کہ اس آہ اور عرش الٰہی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

دنوی خوشحالی پر غرور

وَ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍۢ بَطِرَتۡ مَعِيۡشَتَهَا‌ ۚ (القصص: ۵۸)

"اور کتنی ہی ایسی قومیں گذری ہیں (آبادیوں کے لوگ) جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا حالانکہ وہ اسباب معیشت میں بہت خوشحال تھے اور اس پر غرور کرتے تھے۔"

دنیا میں عارضی طور پر کسی قوم کو مادی خوش حالی یا دولت کی فروانی حاصل ہوتی ہے تو وہ قوم یا اس کا اشرافیہ طبقہ، غرور اور کبر میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو کیا سے کیا سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی شخص یا قوم کا دنوں استحکام مستقل نہیں ہوتا اور نہ ہی رہا ہے۔ جو قوم بھی معشیت کی برتری میں آکر فطرت کے اصولوں کو پائمال کرتی ہے اور حق کا مقابلہ کرنا شروع کرتی ہے تو خدا کا عذاب ان کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ پھر اس کی آکڑ پھوں ایسی فنا ہو جاتی ہے جیسا کہ یہ قوم اس دنیا میں موجود ہی نہیں تھی۔ مکہ کے لوگوں کو قرآن مجید نے آگاہ کیا کہ تمہارے علاقہ میں کئی طاقتور قومیں آباد نہیں۔ عاد ثمود، سبا مدین، ایکہ والے وغیرہ، ان قوموں نے حق کے مقابلہ میں غرور کا مظاہرہ کیا تو آج وہ کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔ کہاں گئیں ان کی عمارات اور محلات؟ کہاں گئے باغ وبوستان؟ مال متاع اور ان کا نشہ سب کچھ لٹ گیا۔ کچھ نہ رہا مگر ان ماضی کی داستان سے انسان نے سبق نہیں لیا۔ یہی انسان کی بد قسمتی اور بد بختی ہے!

آج کی سائنس اور ٹیکنالاجی کی گھمنڈ میں آکر ریاستیں، معیشت کی برتری کے احساس کے ساتھ مظلوم قوموں کو غلام بناتی جارہی ہیں۔ ان کا حشر بھی ماضی سے مختلف نہیں ہو گا۔ مہلت کا عرصہ پورا ہونے کے بعد ایسی فنائیت کے گھاٹ اتر جائیں گی کہ جیسا کہ اس دنیا میں کبھی موجود ہی نہیں تھیں۔

سرمایہ در اور دولت مند کا انجام

وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ (القصص: ۷۷)

"انسانوں کے ساتھ احسان کر، جیسا کہ خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ سرمایہ کو جمع کر کے زمین میں فساد نہ پھیلا"

اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ دنیا کے ایک بڑے سرمایہ دار اور دولتمند قارون کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے :اِنَّ قَارُوۡنَ كَانَ مِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰى "قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا فرد تھا ظاہر ہے کہ دین موسیٰ پر ایمان رکھتا تھا اور اس کا پیروکار تھا۔

دوسری عبادات بھی اس دین کے مطابق کرتا ہوگا۔ مگر دولت کے مقابلہ میں شدید بخیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دولت کے بے شمار خزانے عطا کئے تھے۔ خزانے کی چابیاں اٹھانے والے بھی بے شمار لوگ ہوتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ اس دولت سے بے سہارا اور محرورم لوگوں کی کفالت کریں۔ وہ کہنے لگا کہ میری اس دولت میں دوسروں کا کیا حق؟ یہ دولت تو میں نے اپنی صلاحیت، حرفت اور عقل سے حاصل کی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ تم دولت کو روک کر زمین میں فساد مت پیدا کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دولت کا استعمال اگر ذات پر ہو، شہرت کے لئے اس کا استعمال ہو، شان و شوکت اور لوگوں پر برتری کے لئے دولت کو کام میں لایا جائے پھر اگر محرورم لوگوں کو دولت کے ذریعہ ان کی کفالت کا انتظام نہ کیا جائے تو یہ سراسر فساد فی الارض اور معاشرتی بغاوت ہے اس سے معاشرہ بیمار اور کمزور ہوگا اور بالآخر مٹ جائے گا۔ قارون کا کردار دنیا میں ہر سرمایہ دار دولت مند کے کردار کی طرح ہے اور قارون کے بعد آج تک ہر دولت مند قارون کے رویوں کا اتباع کرتا آیا ہے۔

قرآن مجید نے بتایا ہے کہ قارونی رویہ کا انجام کیا ہے؟ فرمایا: فَخَسَفۡنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الۡاَرۡضَ "ہم نے قارون کو ان کے خزانوں اور مال دولت کے ساتھ زمین میں غرق کر دیا۔" پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: "جس دن سے وہ زمین میں غرق ہوا تو وہ زمین میں دھنستا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ روز محشر جہنم میں پہنچ جائے گا۔"

یہ دنیا میں ایک سرمایہ دار کی ہوس دولت کا انجام آنکھوں سے دکھایا گیا تاکہ دنیا اس سے عبرت حاصل کرے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طویل جدوجہد

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِيۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِيۡنَ عَامًا ؕ (العنکبوت: ۱۴)

"بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ سو وہ اپنی قوم کو ایک ہزار برس پچاس کم تک توحید کا پیغام پہنچاتے رہے۔"

حضرت نوع علیہ السلام توحید کا داعی پیغمبر تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جو انسان پیدا ہوتے

رہے وہ سب ایک ملت میں تھے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد شرک کرنے کی ابتدا ہوئی وہ اس طرح کہ اس قوم میں پانچ صالح ترین بندے تھے، جن کی وفات کے بعد لوگوں کی ان کی یادی ک خاطر ان کی تصویر کے مجسمے گھڑ لیئے۔ پہلے تو صرف ان کی زیارت کرتے رہے۔ پھر دوسری نسل نے ان کی پرستش کرنی شروع کی۔ ان کو خدائی اختیارات میں شریک کرلیا پھر اپنی حوائج ان کے سامنے پیش کرتے رہے۔ اور مشکلات میں ان بزرگوں کو پکارتے رہے۔ ان کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو ان میں پیغمبر بنا کر بھیجا۔ خدا کا رسول تقریباً ایک ہزار برس تک اس قوم کو توحید کا پیغام دیتا رہا اور شرک و کفر سے منع کرتا رہا حضرت نوحؑ نے ان کو بتایا کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے۔ انہوں نے خود اللہ کی عبادت کی ہے اا ور اپنی مشکلات میں خدا کو ہی پکارا ہے۔ اب تم کیسے ان کے پیروکار ہو جو ان کے طریقہ پر نہیں چلتے بلکہ ان ہی صالح بندوں کو خدائی اختیارات میں شریک کرلیا ہے اور خدا کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو! قوم شرک پر کاربند ہو چکی تھی۔ وہ یہ تصور ہی نہیں کرسکتی کہ ان بزرگوں کو کچھ اختیارات نہیں۔ اس لئے ان لوگوں نے حضرت نوحؑ سے صاف صاف کہہ دیا کہ: وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا

"کہنے لگے کہ لوگو! اپنے معبودوں سے ہرگز دستبردار نہ ہونا۔ اور ہرگز نہیں چھوڑنا اپنے پانچ بزرگوں کو یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔"

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نوح کی قوم نے جن بتوں کو اپنا معبود بنا کر رکھا تھا یعنی جن کے مجسمے بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے وہ کون تھے؟ فرمایا: اسماء رجال صالحین من قوم نوح "یہ صالح اور نیکوکار انسان تھے جو حضرت نوح میں فساد پیدا ہو کر وفات پا چکے تھے" (بخاری شریف)

حضرت نوحؑ کی تبلیغ اور قوم کی مہلت کی مدت جب پوری ہو چکی اور حجت الٰہی قائم ہو چکی تو اب یہ زیادہ دیر نہیں لگی۔ جب اس سے پہلے مہلت قائم تھی تو یہ قوم حضرت نوحؑ سے کہتی تھی کہ: يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ "اے نوحؑ بڑا طویل عرصہ گذر گیا ہے تو اپنے ایک خدا کی بات کہتے چلے آرہے ہو اور یہ بھی کہتے ہو کہ میں اس خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تو اگر آپ سچے ہیں۔ تو ہم تو نہیں مان رہے ہیں پھر خدا کا عذاب لے کر آجاؤ دیر کیوں کرتے ہو؟"

حضرت نوحؑ فرماتے کہ ہاں وہ خدا کا عذاب آئیگا مگر تب جب اللہ چاہے گا میرے ارادہ و اختیار میں نہیں ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا حکم آیا اور زمین سے پانی کو طوفان ابل پڑا اور آسمان سے بھی پانی برستا رہا اور ساتھ ہی پتھر بھی برستے رہے اس طرح پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے اوپر بہنے لگا۔ ہلاک ہوتے رہے جو پہاڑوں سے مٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو اہل ایمان کے بچانے کے لئے ایک کشتی بنانے کا حکم پہلے ہی دیا تھا اس میں ایک سو سے کم لوگ جو اس وقت مؤمن تھے۔ سوار ہو کر محفوظ ہو گئے آئندہ ان ہی لوگوں سے نسل انسانیت کا سلسلہ جاری رہا۔

ترکی اور روس کی سرحد پر اناطولیہ کے پہاڑی سلسلہ میں ایک بلند چوٹی ہے جو پانچ ہزار میٹر سے زیادہ بلند ہے اس کو "ارارات" کہا جاتا ہے۔ اس کے اوپر جہازوں پر گذرنے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں برف سے ڈھکی ہوئی ایک کشتی کا وجود ملتا ہے اہل علم کا خیال ہے کہ شاید وہ حضرت نوحؑ کا سفینہ ہو۔ اس

کے سلامت رہنے سے اشارہ ملتا ہے کہ پیغمبر کا سفینہ ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ: فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

"ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچالیا۔ ہم نے کشتی کو عالم انسانیت کے لئے نشانی بنا کر محفوظ کر لیا۔"

کبر اور غرور

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ؕ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمٰن: ۱۸)

"اور لوگوں سے بے رخی کا برتاؤ نہ کرو زمین پر اکڑ کر متکبرانہ انداز سے چلا کر، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔"

قرآن مجید نے ایک نصیحت حضرت لقمان کے حوالے سے کی ہے۔ فرمایا کہ: لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ " جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔" حضرت لقمان عرب میں ایک حکیم اور فلسفی کی حیثیت سے معروف تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں۔ مگر قرآن مجید نے ایک حکیم کی حیثیت سے ان کے اقوال کو عزت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پہلی بات یہ بیان کہ: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ "اپنے چہرہ کو لوگوں سے پھیر کر ایک ہی طرف نہ موڑ دے۔" "صعر" ایک بیماری کا نام ہے جو اونٹ کو لگتی ہے تو وہ اپنے کاندھے کو ایک ہی طرف کر لیتا ہے۔ تو بھی صعر نہ بنو کہ چہرے کو ایک ہی طرف پھیرے رکھو یعنی لوگوں سے بے رخی سے پیش مت آؤ۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ زمین پر غرور سے نہ چلو کیوں کہ اللہ کبر کرنے والے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ مختال، عملی غرور، فخور بات چیت میں بھی اور اعملی اقدامات میں بھی انسانوں پر رعب ڈالنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ اسلام میں کبر وغرور سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ پیغمبر گرامی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس کے قلب میں سرسوں کے دانے جتنا بھی کبر وغرور ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

غرور نفس

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (السجدہ: ۱۵)

"ہماری آیتوں پر تو بس وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح و تقدس کرتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی تکبر اور بڑائی نہیں کرتے۔"

خدا تعالیٰ کے سامنے جھکنا اور ان کے آگے سجدہ ریز ہو جانے میں بڑی رکاوٹ نفس کا غرور اور تکبر

ہے۔ ایک متکبر شخص ہی خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا ہی کسی کے سامنے نہیں جھکتا۔ جو لوگ عبادت کرنے میں، رکوع اور سجدے میں جھکنے میں، نمازوں کو پابندی سے ادا کرنے میں، خدا کے حضور میں آنے میں، غفلت ، کاہلی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہاں جان بوجھ کر خدا کے مقابلہ میں متکبر اور مغرور بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ خدا کی دعوت پر لبیک کہہ کر، اس کے حضور میں آنے کے بجاء اپنے آپ کو بہت بڑا تصور کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس پکار کو ایک عام آدمی کے بلانے جیسے اہمیت بھی دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ ایسے بدبختوں اور سرکشوں کا رویہ ابلیس سے مشابہت رکھتا ہے۔ جس سے سجدہ کا انکار کبر اور غرور کی وجہ سے کیا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ ایک دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اللھم انی اعوذبك ان اکون بك مغرورا "اے میرے خدا میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آپ کے مقابلہ میں کبر وغرور میں مبتلا ہوں جاؤں۔"

خدا کے حضور میں سجدہ نہ کرنا غرور نفس کا سب سے بڑا مظاہر ہے۔ ایسے بدبختوں کا رابطہ خدا سے کٹ جاتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اگر یہ یہاں ان کو فی الفور ذلت نہیں آتی یہ خدا کے "امہال" (تاخیر کرنے) کا قانون ہے۔ یہ زیادہ اور بڑی آزمائش ہوگی اور پھر ایسی ہی بربادی اور ہلاکت ہوگی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

صداقت پر قائم رہنا

يَآيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا (الاحزاب:۷۰)

"اے اہل ایمان! خدا سے ڈرتے رہو (اس کی نافرمانی سے بچتے رہو) اور ہمیشہ سچی بات کہو۔"

اس آیت کریمہ میں دو بنیادی باتوں کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک تقویٰ دوسرا سچ بولنا۔ تقویٰ خدا سے خوف رکھنے کا نام ہے مگر یہ خوف اس طرح کا نہیں جو کسی دہشت سے، یا کسی دیو ہیکل مجسمے سے ہوتا ہے۔ اس طرح خداوند قدوس کوئی ڈراونی ہستی نہیں ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے بلکہ وہ تو نہایت رحم و کرم کرنے والی ذات گرامی اور محبوب ترین ہستی ہے کہ اس سے صرف محبت اور پیار ہی کیا جائے وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ "جو ایمان والے ہیں وہ تو اس کائنات میں سب سے زیادہ محبت اور پیار صرف خدا سے ہی کرتے ہیں۔" وہ تو ذات مقدس ہے ہی پیار کرنے جیسی ہستی۔ احسانات اور اکرامات کی بارش ہے جو ہر لحہ ہم پر برس رہی ہے۔ ہر وقت وہ ہمارے حالات درست کرنے اور ہمیں سہولتیں فراہم کرنے میں متصرف ہے۔ ایسی محبوب ہستی کے متعلق اگر خوف ہو تو اس حیثیت سے کہ کہیں ہمارا محبوب حقیقی ہم سے ناراض نہ ہوجائے۔ یا ہم اس کی نافرمانی کرنے میں چوکنا رہیں کہ کہیں تھوڑے لغزش اور آں جناب کے رضا کے خلاف کوئی حرکت اور عمل صادر نہ ہوجائے کہ کہیں وہ ہم سے رابطہ نہ منقطع کردے۔ اس کی ناراضگی کا خوف ہم پر ہر وقت طاری ہو۔ اس لئے بار بار فرمایا گیا کہ: "اتقوالله" یعنی اتقوا "من محارم الله، اتقوا من معصية

اللہ " خدا کے حرام کردہ چیزوں سے بچو، خدا کی نافرمانی کرنے سے بچو! تقویٰ کرنے کا نام نہیں بلکہ تقویٰ بچنے اور حفاظت کرنے کا نام ہے۔ بچا بچا کر چلنے اور خاردار راستہ میں کانٹوں سے بچ کر چلنے کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔ تقویٰ دل کی کیفیت کا نام ہے۔ تقویٰ ایک رویہ کا نام ہے۔ صاحب تقویٰ گناہوں سے بچ کر عمل صالح میں معروف رہے گا۔ عبادت اور مخلوق کی خدمت میں زندگی بسر کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ لوگوں نے غلط سمجھ کرر کھا کہ تقویٰ کسی ظاہری رسموں کا نام ہے۔ تقویٰ مخصوص لباس، مخصوص وضع قطع، اور مخصوص ریاضتوں کا نام ہے۔ جو لوگ اپنی غیر معقولی حرکتوں میں پھنس کر تقویٰ کو تلاش کرتے ہیں تو انہیں تقویٰ تو نہیں ملتی البتہ وہ بدعات اور گمراہیوں میں ضرور داخل ہو جاتے ہیں۔ کسی مومن صالح میں جب تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو وہ اطاعتِ رب میں سب سے آگے ہوتا ہے۔ جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ میں سب سے آگے نمایا ہوتا ہے۔ مخلوق کی خدمت کے کاموں میں پہلی صف میں نظر آتا ہے۔ گفتار اررفتار میں عجز وانکسارج جھلکتا ہے۔ انسان اس سے صرف خیر کی توقع رکھتے ہیں۔ شر ان سے کبھی ظاہر نہیں ہوتا۔ ایسے اوصاف رکھنے والا ہے قرآن کا مطلوب "متقی انسان"

انسان کی دوسری اہم وصف صداقت ہے "الصادق الامین" ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کی پہنچان تھی بلکہ صداقت اور امانت ان کی نبوت اور رسالت کی دلیل تھی۔

حضور کریم ﷺ نے انسانی زندگی کی تربیت اور تزکیہ میں سب سے پہلا درجہ صداقت کو قرار دیا ہے۔ سچ بولنے کے بعد انسان تمام گناہوں سے بچ سکتا ہے۔ گناہوں کو چھپانے کے لئے سب سے بڑا ہتھیار "کذب بیانی" ہے۔ یعنی جھوٹ بولتے جاؤ اور گناہوں کے پردے میں اپنے کو سچا قرار دو۔ مگر جھوٹ بولنے پڑینگے "انسان صبح کو اٹھتا ہے تو سارے عضوے زبان سے کہتے ہیں کہ ہم سب تمہاری وجہ سے پکڑے جائیں گے۔ اگر تو نے سچ بولا تو ہماری حفاظت ہو گی۔" (الحدیث)

حق سے بغاوت کا بنیادی سبب

اسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّئِ (فاطر:۴۳)

"زمین میں ان کی سر کشی بڑھ گئی اور بری چالیں چلنے لگے"

حق کو قبول کرنے میں بڑی رکاوٹ، نفس میں غرور، تکبر، اپنے آپ کو بڑے مرتبہ پر فائز سمجھنا، سر کشی میں مبتلا ہو جانا اور "انا ولا غیری" میں ہی میں ہوں میرے علاوہ اور ہے کون؟ جیسا ذلیل جذبہ پیدا ہونا ہے۔

ارشاد فرمایا گیا کہ سیدھی راہ دکھائی تو ان کے آنے سے ان میں مزید نفرت، غرور اور سر کشی ابھر آئی اور حق کے خلاف ذلت آمیز منصوبے گھڑنے لگے مگر ان بری چالوں نے ان کو مزید عذاب الٰہی کی طرف قریب کر دیا۔

ان لوگوں نے تاریخ سے کوئی سب نہیں سیکھا۔ بلکہ اپنے آپ کو تاریخ کے حوالے کر دیا اور پھر وہ عبرت ناک انجام کو پہنچ گئے۔

مزید فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو ان پر بہت بھاری ہو جاتی ہے مگر تمہیں کوئی نقصان ہو تا ہے تو یہ لوگ جشن مناتے ہیں۔ آپ لوگ ثابت قدم رہیں، پاکیزہ زندگی گذاریں۔ ان کے فریب و مکر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایک عذاب عظیم سے دوچارہ کر دے گا۔

دانشمندانہ گفتگو

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص: ۲۰)

"اور ہم نے داوٴدؑ کی حکومت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے اس کو حکمت اور فیصلہ کن خطاب کرنے کی صلاحیت عطا کی۔"

کسی انسان کے لئے یہ انعام خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عقل و شعور، غور و فکر، بات کرنے کا سلیقہ اور خطاب کرنے کی قوت عطا فرمائے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ کسی کو حکمت (دانائی) سے نوازے۔ جس کو حکمت عطا کی جائے، اس کو تو اللہ تعالیٰ نے "خیر کثیر" عطا فرمادیا اصحاب عقل ہی اس سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اس فیض سے انسانوں کو متمتع کرتے ہیں۔

سوچ اور دانائی کی ساتھ بات چیت اور خطاب کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کا بڑا عطیہ ہے جس کو مل جائے۔ کسی عنوان کے تحت مختلف لوگ مختلف طریقوں سے گفتگو کر رہے ہوں۔ مگر ان میں سب سے بہتر گفتگو اس کو قرار دیا جائیگا۔ جس کے بیان میں مقصد واضح ہو کر سامنے آجائے، دانش سے بھرا ہوا ہو، بات کا انداز ہر ایک کو متاثر کرے۔ اس بات کو ایک ہر ایک قبول کرنے پر تیار ہو جائے، وہ اظہار طویل اور تھکا دینے والا نہو۔ اس بیان میں کوئی الجھاوٴ، پیچ در پیچ فلسفہ نہ ہو بلکہ سیدھا سادہ اور سچائی سے مزین ہے۔ ایسی گفتگوں کو دانشمندانہ گفتگو قرار دیا جائے گا۔ ایسا کلام ہی خدا کا عطیہ ہے۔ "علمہ البیان" میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خوف اور امید کے درمیان

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ (الزمر: ۹)

"بھلا وہ شخص جو رات کی تنہائی ور خلوت میں ہر طرف سے منہ موڑ کر خدا کے سامنے جھک جاتا ہے اور کبھی سجدے میں گر جاتا ہے۔ کبھی آخرت کے منزلوں کا تصور کر کے ڈرنے لگتا ہے۔ اور پھر کبھی اس کی شان کریمی اور رحمت بے پایاں کو یاد کر کے مغفرت کی امید میں ڈوب جاتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں ایک موٴمن کی نفسیاتی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے معاملہ میں وہ بیحد مخلص ہے۔ اس وقت بھی جب رات کی تنہائیوں میں وہ اکیلا اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کو یاد کرتا ہے۔ اس کے سامنے کھڑا ہو کر اس کے حمد کے ترانوں میں گم ہو جاتا ہے۔ پھر جھک جاتا ہے اور اس حالت میں تسبیح

کے بول بولتاہے پھراس کے قدموں میں گر کر سجدہ ریزہوجاتاہے۔ مؤمن جب سجدہ کرتا ہے تو رحمان کے قدموں پر اپنی پیشانی رکھتا ہے۔ (الحدیث) اس کیفیت م یں ہو سراسر عجزاونکسار کا مجسمہ بن جاتاہے۔ وہ قیامت کے مناظر سامنے آتے ہیں ڈرنے لگتا ہے کہ اللہ میرے لئے اس دن آسانیاں فراہم کرے۔

یہ ایساخوف نہیں کہ اس کو مایوس کر دے بلکہ خوف کے بعد پھر اپنے معبود بر حق کی رحمت اور شفقت میں ایسی امید رکھتاہے کہ وہ یقین کرلیتاہے کہ میرا محبوب مجھ سے محبت کر رہاہے۔ میرے ساتھ کرم وسخا کا معاملہ کر رہاہے۔ میری تمام برائیوں کو مغفرت کی نگاہ سے محو کر رہاہے۔ اور میرے خزانہ اعمال کو نیکوں سے بھر رہاہے۔ یہ مومن صالح اور متقی کی کیفت کا ایک حسین منظر ہے جو اللہ تعالیٰ پیش کر رہاہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو اس طرح کی کیفیات سے متصف ہو کر دیکھنا چاہتاہے۔ اور ایسے لوگوں کے لئے اپنے ہاں دائمی طور پر انعام واکرام کا گھر تیار کر رکھاہے۔

ہدایت کس کو ملتی ہے؟

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُّنِيبُ (مومن: ۱۳)

"اللہ تعالیٰ کی باتوں سے صرف وہی ہدایت حاصل کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہوں۔"

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی نشانیان دکھاتاہے۔ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی بارش کا برسناہے۔ اس طرح آسمان سے آپ کے لئے رزق کا انتظام کیا جاتاہے۔

آسمانی ہدایت کو دنوی بارش کی مثال سے سمجھایا گیاہے۔ جس طرح بارش زرخیز زمین کے لئے مفید بنتی ہے۔ ایسی بارش کو وہی زمین اپنے اندر جگہ دیتی ہے جو انسانوں کے لئے نفعہ آور ہو۔ مگر بنجر زمین کا بارش سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

اس طرح جو انسان اپنے دل ودماغ کو کھول کر رکھتے ہیں۔ اپنے شعور کو خدا کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں تو ان کو ہدایت دستک دیتی ہے۔ دل اس ہدایت کو قبول کرتاہے۔ مگر جن کے قلوب مردہ ہوتے ہیں، (انسان خود قلب کو مسخ کر دیتاہے) وہ اپنے شعور کو خدا کی طرف اور اپنے فکر وتدبر کو اس کی آیات پر سوچنے کی طرف توجہ نہیں کرتے تو ایسے لوگ سامنے کی ہدایت سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ بارش برستی رہے مگر بنجر زمین کو کچھ نہیں ملتا۔ اس طرح ہدایت دستک دے رہی ہے مگر یہ اس کو حاصل نہیں کرپاتا۔ پانی موجود ہے مگر یہ پیاسا مر جاتاہے۔ گلاس اپنے لبوں تک نہیں لے آتا۔

"اے انسان! اپنی دل کو بنجر نہ بنا، ہدایت کی طلب کے لئے خدا کی طرف رجوع کر۔ تو بھی زرخیز زمین کی طرح کیمیا بن جائے گا۔"

خدا کے مقام کو نہ پہنچاننا

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ (الزمر: ۶۷)

"اوران لوگوں نے اللہ کی وہ قدر نہ کی جو اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔"

گمراہی کی بنیاد ہی یہی ہے کہ انسانوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بلند اور عظمت کے مقام کو پہنچانا ہی نہیں ہے۔ عام طور پر لوگ مخلوق کی عظمت کے قائل اس لئے ہو جاتے ہیں کہ ان لوگوں نے خدا کے مرتبہ اور مقام کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ وہ اکابر پرستی، اور مظاہر پرستی میں اس لئے مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان کو خدا تعالیٰ کی قوت اور طاقت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ قیامت کے روز جب آنکھوں کے سامنے سے وہ پردہ اٹھایا جائیگا تو وہ دیکھ لیں گے کہ خدا تعالیٰ کتنی عظیم قوت کا مالک ہے۔ یہ زمین ایک سکہ کی طرح اس کے ہاتھ میں ہے اور تمام آسمان کاغذ کی طرح اس کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ دنوی امتحان کے ختم ہونے کے بعد ایک گھنٹی بجائی جائیگی۔ یہ اس بات کا اعلان ہو گا کہ اب دنیا کا خاتمہ ہو چکا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ

پہلے دینا سورج کی روشنی سے روشن ہوتی تھی جہاں کچھ مادی چیزیں نظر آتی تھیں اب براہ راست خدا کے نور سے زمیں روشن ہو گی جہاں معنوں حقیقتیں بھی نظر آئیں گی وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا تمام انسان حساب کے لئے جمع ہوں گے۔ صحائف اعمال ان کے دیے جائینگے۔ حق کے ساتھ سب کا فیصلہ ہو گا۔ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو گی۔ اس مرحلہ پر جن لوگوں نے انبیاء علیہ السلام کی باتوں کا انکار کیا تھا، وہ حیرت اور عجب میں پڑ جائیں گے کہ یہ کی ہو گیا؟

فیصلہ اس اصول پر ہو گا کہ کن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت کا اقرار کر لیا تھا۔ اس کن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے مرتبہ اور عظمت کو گھٹا دیا تھا وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ

"باطل پرستوں کے لئے وہ دن تباہی اور بربادی کا ہو گا۔"

پیغمبر اور بشرین

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (حٰم سجدہ: ۶)

"اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، ہاں میری طرف وحی الٰہی بھیجی جاتی ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے"

حق کی دعوت کی ابتدا ایک انسان سے ہوتی ہے۔ مگر عام لوگوں کو شروع میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک انسان، خدا کا کلام اپنی زبان سے پیش کر سکے۔ اس لئے وہ خدا کو تو جھوٹا نہیں سمجھتے البتہ اس انسان پر الزامات لگاتے رہتے ہیں کہ یہ انسان نبی اور رسول اللہ نہیں ہے، اس پر خدائی کلام نازل نہیں ہوا۔ یہ خود ہی باتیں گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ یہ شاعر ہے۔ یہ جادوگر ہے یہ (الیعاذ باللہ) مجنوں ہے وغیرہ۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ ہمارے خاندان میں پید ہوا ہے۔ اس کے ماں باپ تو فلاں اور فلاں ہیں۔ اس نے تو پوری زندگی ہم ہیں گذاری ہے۔ پھر آج یکایک اوراچانک کیسے رسول بن گیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کم عقلو! انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک انسان ہی ہادی بن کر آئے

گا۔میں انسانوں میں سے ایک صالح ترین انسان کو منتخب کروں گا اور اس کو اپنا رسول بناؤں گا اور اس پر اپنا کلام نازل کروں گا۔اس لئے تم انسان اور رسول میں تضاد اور تناقض کیوں پیدا کرتے ہو۔

اگر کوئی شخص پیغمبر ﷺ کی انسانیت سے گذر کر اس کو نبی اور رسول نہیں مانے گا تو وہ مومن کیسے ہو سکتا ہے؟ایک انسان کو ہی نہیں نبی اور رسول ملتا ہو گا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ "رسول بھی اسی قوم سے ہو گا، اس پر وحی الٰہی بھی اس قوم کی زبان میں ہو گی"

يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ "میرے بھیجے ہوئے پیغمبر علیہ السلام حلال رزق کماتے بھی ہیں اور کھاتے بھی ہیں اور کاربار کیلئے بازاروں میں بھی جاتے ہیں۔"

دعوت دین کے لئے خوش اخلاقی

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (حٰم: سجدہ: ۳۴)

"تو برائی کے جواب میں بہترین خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر۔"

موجودہ دور، خاص طور پر فتنہ فساد اور ظلم وتشدد سے بھر چکا ہے۔ انسانیت امن کے تلاش میں سرگرداں ہے۔ قرآن مجید امن کے لئے ایک بہترین فارمولا دیتا ہے۔وہ یہ ہے کہ تم ہر حال میں ایثا، قربانی، عفو درگذر، معاف کرنے کا جذبہ اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے رہو۔ فریق مخالف ایک دن ضرور نرم پڑجائیگا۔جو عداوت اور دشمنی تمہارے اندر ہے وہ محبت اور وہ چاہت میں بدل جائیگی۔اس رویہ کی بہترین مثال آں حضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔عام طور پر جنگ وجدال ضد وحسد اور اپنی معمولی بات پر اڑے رہنے سے ہوتا ہے۔جب کہ مفاہمت سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ معاشرتی امن کے لئے لازم ہے کہ انسان اپنے حق سے بھی دستبردار ہو جائے۔اپنے آپ کو سہولت دینے کے بجاء دوسرے انسان کی سہولت کو سامنے رکھے۔اپنی خوش پر دوسروں کی خوشیوں کو ترجیح دے۔ قرآن کہتا ہے کہ: وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ "نیکی اور برائی ایک جیسی نہیں ہوتیں۔" آپ ہمیشہ نیکی کی طرف مائل ہو جائیں تو برائی مٹ سکتی ہے۔ دین حق کی دعوت کے لئے بھی دانائی اور حکمت کو بطور ضابطہ پیش کیا گیا ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ تو بہترین انداز اور حکمت کے ساتھ۔اگر اختلاف ہو بھی جائے تو اس کو خوشی اخلاقی سے ٹال دیا جائے۔ دعوت دین کے مواقع میں شیطان خاص طور پر رد عمل پیدا کرنے کے خیالات ڈالتا ہے۔اور انسان کو غصہ اور انتقام کی طرف مائل کر دیتا ہے۔پھر یہ ماحول پیدا ہو گیا تو دعوت کا کام ادھورا رہ جائے گا۔اور مدعوین کے ساتھ جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ فساد پھیل جائے اور معمولی باتوں پر ایسا فساد رنما ہو کہ لوگ گروہوں اور ٹکڑوں میں بٹ جائیں۔جیسا کہ آج کے دور مین امت مسلمہ وحدت کے بجاء انتشار کا شکار ہے اور گروہوں میں بٹتی جارہی ہے۔

قرآن مجید ایک زندہ حقیقت

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ
(حٰم سجدہ: ۴۱ تا ۴۲)

"یہ بڑی باعزت کتاب ہے نہ اس کے آگے باطل جم سکتا ہے نہ اس کے پیچھے باطل کو جگہ مل سکتی ہے۔"

قرآن مجید کے لئے یہ دعوت کی گئی ہے کہ اس کتاب میں باطل کی دخل اندازی کسی بھی طرف سے نہیں ہو سکتی! اس کتاب میں براہ راست یا کسی واسطے سے کوئی بھی بگاڑ نہیں آسکتا۔

عالم اسباب میں اس عظیم الشان دعویٰ کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ "حاملین قرآن" کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہے جو اس قرآن کی حفاظت کے لئے ہر دور میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرتا رہے۔ تاکہ اس کتاب کی صورتحال پہلے نازل شدہ صحف آسمانی کی طرح نہ ہو جائے۔ کہ اس کی حفاظت کرنے والا کوئی انسان نہ رہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے دفاع کے لئے ہر وقت انسانی گروہ موجود رہے۔ جب کوئی شخص بھی قرآن مجید کے خلاف بات کرے یا اس کے نظریہ کو غلط قرار دینے کی ناپاک جسارت کرے تو اس کے خلافت استدلال کے ساتھ دفاع کر سکے۔ دنیا کا عروج وزوال قرآن مجید پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ تیسری بات یہ کہ جس زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے وہ زبان قرآن مجید کے لئے ہر وقت موجود رہی ہیں۔ ڈیڑھ ہزار سال گذرنے کے باوجود اس عظیم الشان کتاب میں کوئی باطل کوئی رخنہ کوئی شکہ وشبہ داخل نہیں ہو سکا ہے۔ یہ بات اس کتاب کی صداقت حقانیت اور منزل من اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے اور اسکی دعویٰ کی صریح دلیل بھی!

پیغمبرؑ کی بعثت کے دو پہلو

لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الشوریٰ: ۷)

"اے پیغمبر! تاکہ تم بستیوں کے مرکز (شہر مکہ) اور اس کے گرد وپیش کے لوگوں کو خبر دار کریں۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کی ایک بعثت خاص تھی جو جزیرۃ العرب کے لئے تھی۔"

اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے مکہ والوں کو اور اس وادی عرب کے لوگوں کو خدا کے پیغام سے خبر دار کیا۔ اس خطبہ سے شرک اور غلامی کے ظلمات ہٹائے اور توحید پر کار بند کیا۔ یہ وصال مبارک تک کارنامہ سرانجام دیا۔ اور فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں قیام تک ایک دین رہے گا۔ دوسرا دین یہاں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہاں اب بت پرستی نہیں ہو گی۔

دوسری بعثت قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کی طرف ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ: وَمَآ

اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ہم نے آپ کو بعثت کائنات کے تمام انسانوں کی طرف کی ہے آپ ان سب کے لئے بشیر اور نذیر ہیں۔ اس بعثت کی تکمیل امت مسلمہ کی ذمہ داری قرار دی گئی۔

جزیرۃ العرب میں آپ ﷺ نے اپنی موجودگی میں عربی زبان میں یہ پیغام پہنچایا جب کہ آپ کی امت "حاملین قرآن" اور "وارثانِ نبوت" اسی پیغام کو دنیا کی تمام زبانون میں اور تمام قوموں تک پہنچائیں گی۔ یہ ان پر لازمی فریضہ کے طور پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ "تمہیں سب انسانوں کی ہدایت کے لئے پیدا کیا گیا ہے" اس کی مسئولیت قیامت کے روز ہو گی۔ اور ایسی دعوت حق کی شہادت اور تبلیغ کی بنا پر ہی دوسری قوموں پر حجت الٰہی قائم ہو گی اور ان سے مسئولیت ہو گی اگر امت نے اسلام کو پورے دلائل کے ساتھ دنیا کے انسانوں کی تمام زبانوں میں پیغام کو نہیں پہنچایا تو یہ قومیں جو اسلام میں داخل نہیں ہو سکی ہیں، ان سے مسوئیت کیسے ہو گی؟ ان کے اسلام نہ لانے کا بوجھ یا گناہ بھی "حاملین قرآن" کے سر پر ہو گا۔

اسلام کو سیاسی غلبہ عطا کرنا۔ (امت مسلمہ کا فرض منصبی)

اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ (الشوریٰ: ۱۳)

"دین اسلام کو قائم کرو (یعنی اسلام کو سیاسی غلبہ عطا کرو) دین کے غالب کرنے کی جدوجہد میں آپس میں فرقے اور گرہوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ۔"

اس آیت کریمہ میں "اقامت دین" کا جو حکم دیا گیا ہے تو اس آیت سے پہلے مختلف انبیاء کا ذکر کرتے ، ہوئے کہا گیا ہے کہ تمام پیغمبروں کے لئے یہ بات طئی کر دی گئی تھی۔ مثلاً حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسی، علیہم السلام اور خود آپ ﷺ کو بھی اس بات کا پابند کر دیا گیا ہے کہ تم سب اپنے اپنے دور میں دین اسلام کے احکامات ، معیشت ، معاشرت اور سیاست کے جملہ ہدایات کو اپنے اپنے معاشروں میں قائم کرو۔ پھر یہ بات پوری ذمہ داری کے ساتھ امت مسلمہ پر بھی لازمی کر دی گئی کہ وہ بھی رہتی دنیا تک دین اسلام کو غالب کرنے کی جدوجہد میں مل کر ایک امت کی وحدت کے ساتھ شامل ہوں۔ پھر خاص طور پر یہ تاکید کی گئی کہ اس عظیم الشان جدوجہد میں سب مل کر رہیں اور آپس میں ہر گز اختلاف وانتشار کو پیدا نہ ہونے دیں۔ خدا کے دین کے تمام احکامات کو معاشروں میں رائج کرنا "اقامت دین" ہے جب کہ غیر قرآنی اور طاغوتی معاشرہ کو برقرار رکھنا" انہدام دین" ہے یعنی دین کو اکھاڑنا اور شیطان کی ہدایات پر چلنا یہ بات اہل ایمان کے ہر ایک فرد کو پوری طرح سمجھنی چاہیئے کہ اقامت دین کے لئے اتحاد اور وحدت لازمی ہے۔ اور انتشار اور تفرقہ کی وجہ سے اہل ایمان مختلف گروہوں، فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور پھر وہ کوئی بھی کام نہ کر سکیں گے۔ اہل ایمان نے اگر طئ کر لیا ہے کہ وہ دین اسلام کو معاشرہ میں قائم نہیں کریں گے اور وہ یہ ذہن بھی بنا چکے ہی کہ وہ واسلام کے ساتھ مخلص اور ہمدرد نہیں ہیں تو پھر جو چاہیں کرتے پھریں۔ آپس میں حسد اور بغض رکھیں، عداوت اور نفرت رکھیں، معمولی باتوں پر فرقے اور گروہ بناتے جائیں۔ ایک دوسرے پر الزامات لگاتے پھریں ان کو یقین کرنا چاہے کہ ان کے ان ناپاک اعمال کی وجہ

سے دین قائم نہیں ہو گا۔ بلکہ دین کمزور ہوتا جائے گا۔ اس طرح یہ سب حضرات "حذب الشیطان" کا حصہ بن کر خدا کے سامنے پیش ہوں گے۔ صدیوں سے دین اسلام کو سیاسی غلبہ جو حاصل نہیں ہو رہا ہے اس میں مذہبی لوگوں کی تفرقہ بندی کو بڑا دخل ہے۔

امن کے ساتھ اجتماعی زندگی

اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ۭ لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ۭ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ (الشوریٰ: ۱۵)

"وہی اللہ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے۔ ہمارا عمل ہمارے لئے اور تمہارا اعمل تمہارے لئے۔ جھگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ ہم سب کو ایک جگہ جمع کرے گا اور سب کو اس کی طرف لوٹنا ہے۔"

اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے "امن کے ساتھ باہمی بقا" کو اجتماعی زندگی کا ضابطہ قرار دیا ہے۔ اس کے پاس عقیدے سے متعلق کوئی زور اور جبر نہیں ہے۔ فرمایا گیا کہ: لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ "دین کو قبول کرنے کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے" یہ دل کا رضا کارانہ عمل ہے جو چاہے قبول کرے اور جو نہ چاہے تو وہ قبول نہ کرے فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ "جو چاہی ایمان لائے جو چاہے کفر پر قائم رہے۔" اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ جن بتوں کی لوگ عبادت کر رہے ہیں ان کو بھی کوئی ناز یبا کلمہ نہ کہو "وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" بلکہ اہل کتاب کو یہاں تک کہا گیا ہے کہ مشترکہ امور پر جمع ہو کر، سچائی پر ایک ہو جائو تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ وہ صداقت یہ ہے کہ "ایک خدا کی عبادت اور شرک سے اجتناب" یہ صداقت تمام آسمانی کتابوں کی مشترکہ میراث ہے۔ ہمارا پیغام تم تک پہنچ گیا۔ اب اگر تم اس سے انکار کرتے رہو گے تو اس کا فیصلہ قیامت کے دن خدا خود فرمائے گا۔

عیسائیوں کا ایک وفد نجران سے مدینہ طیبہ آیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھیرایا ہمارے پیغمبر ﷺ کی تعلیمات اور ان کا یہی اسوہ حسنہ ہے۔ آج ہم غیروں کے احترام والی بات تو دور کی بات ہے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بھی احترام اور رواداری کے قائل نہی ہے۔

عیاش گروہ کا انجام

اَذْہَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِہَا ۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْہُوْنِ (الاحقاف: ۲۰)

"دنیا میں عیاشی کرنے والے گروہ سے کہا جائے گا کہ تم نے دنوی زندگی میں اپنے حصہ کی نعمتیں حاصل کر چکے خوب مزے لے لیے۔ سو آج تم کو ذلیل کرنے والے عذاب کی سزا دی جائیگی۔"

انسان اب تک یہ بات نہیں سمجھ سکا ہے کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور امتحان دیکر یہاں سے جانا ہے اس دنیا میں جو چیز اس کو مل رہی ہے اس کا وہ مالک نہیں ہے بلکہ امین ہے۔ امانتدار شخص کا کام یہ ہے وہ

امانت حقداروں کے پاس پہنچادے۔ محروم اور پسے ہوئے لوگوں کی کفالت کرے۔ ان کے حقوق ادا کرے حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کوئی انسان دولت کو ان کے جائز حقداروں تک نہیں پہنچا تا۔ رشتہ داروں کو محروم رکھتا ہے۔ پڑوسیوں کی بھوک اور درد کا خیال نہیں کرتا، بے سہارا لوگوں کے لئے سہارا نہیں بنتا۔ انفاق فی سبیل اللہ سے ان کا ہاتھ رکا رہتا ہے، اس کے بجاء دولت کے ذریعہ بڑی بڑی عمارت ار محل تیار کرتا ہے، قیمتی فرنیچر اور سامان تعیش سے ان کو مزین کرتا ہے۔ صبح وشام عمدہ کھانے تیار کرکے دعوتیں اڑاتا رہتا ہے اور اسراف کی حدود پائمال کرتا ہے، ایک ہی وقت میں درجنوں گا ٹیریان رکھ کر دولت کی نمائش کرتا ہے۔ تو ایسے لوگو کے لئے کہا گیا ہے کہ تم نے دنوی عیش وآرام دنیا میں حاصل کر لیے اور خوب مزے آڑائے اب اس عالم جاودانی میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں رہا سواء دردناک عذاب، اس کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

دینی جدوجہد میں خدا کی مدد

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (محمد: ۷)

"اگر تم کلمتہ اللہ کو غالب کرنے کی جدوجہد میں تعاون کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری بھرپور مدد کرے گا۔ تمہارے اندر مضبوطی اور ثابت قدمی پیدا کرے گا۔"

خدا کی مدد کرنا، سے مراد خدا کے دین کو بلند کرنے کی جدوجہد میں شامل ہونا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ اہل ایمان اپنی جان، مال، صلاحیتیں اور کاوشیں، خدا کے دین کو غالب کرنے، اس کے نظام کو نافذ کرنے اور دنیا میں تمام قوموں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے وقف کردیں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی مدد اس طرح کرتا ہے کہ ان کو ثابت قدم اور استقامت سے نوازتا ہے ان کے لئے یہ سعادت لکھ دی جاتی ہے کہ ان کے ذریعہ دنیا میں حق کا غلبہ ہوگا اور ان کو خلافت ارضی نصیب ہوگی۔ ایسے لوگوں میں انبیاء علیہم السلام، اصحاب رسول، اہل بیت، رسول شہداء اور صالحین لوگ شامل ہیں۔ یہ نفرت الٰہی کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اس فتنہ کے دور میں حب دنیا اور آسائش کی زندگی ہر انسان کا ہدف بن چکا ہے۔ مگر اس کے باوجود کئی عظیم انسان ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو توحید کا پیغام پھیلانا، قرآن کے پیغام کو انسان تک پہنچانا، مختلف زبانوں میں قرآن کو مختلف قوموں تک میسر کرنا، فکری، عملی اور تحقیقی طور پر اسلام کی اشاعت کرنا ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ اس پر اپنی صلاحیتیں اور دولت کو خرچ کررہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خدا نصرت کرتا ہے۔ اور ان کے کاموں کو قبول کرتا ہے اور ان کاموں کے بہتر نتائج سامنے آتے ہیں۔

غیبت معاشرے میں فساد پھیلانے کا ذریعہ

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا

فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات: ۱۲)

"دوسروں کے حالات معلوم کرنے کی جاسوسی نہ کیا کرو۔ ایک دوسرے کے پیچھے کسی کا عیب بیان نہ کرو۔ کیا یہ بات تمہیں پسند ہے کہ کسی بھائی کی مردہ لاش پڑی ہو اور تم اس کا گوشت نوچ کر کھاؤ؟ کیا تمہیں گھن نہیں آئے گی؟ ہر وقت خدا کی محرمات سے بچتے رہو۔"

کسی معاشرہ میں اسلامی اخلاق کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے بنیادی چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کسی کی عیب جوئی نہ کرو۔ عیبوں کو معلوم کرنے کے لئے جاسوسی نہ کرو، اس ٹوہ میں نہ لگے رہو کہ فلانے شخص کے عیب معلوم کرکے اس کو معاشرہ میں بدنام کیا جائے۔ عیب معلوم کرنے کے لئے فلاں شخص سے ملا جائے اور فلاں سے معلوم نہ ہو سکیں تو اس کے دوست کے پاس جا کر معلوم کیا جائے کہ تمہیں کچھ خبر ہے کہ فلاں میں کون کے سے عیب ہیں؟ گھوم پھر کر خطوط لکھ کر۔ پیغام رسانی کے ذریعہ یہ معلومات جمع کی جائیں کہ فلاں شخص میں کیا کیا خرابیاں ہیں۔ یہ ایک جاسوسی کی مہم ہے کہ اس طرح عیب معلوم کرکے پھر ان کی تشہیر کی جائے۔ سفر برداشت کرکے ہر جگہ پہنچا جائے اور خاص طرح ان کے دوستوں تک ضرور جایا جائے اور ان کو بیان کیا جائے کہ میں نے پوری تحقیق کی ہے کہ فلاں خرابیاں فلاں عیب اور اس طرح کی برائیاں اس شخص میں موجود ہیں۔ یہ حسد اور کینہ صرف اس خاطر ہو کہ لوگوں میں اس متعین شخص کے لئے ذلت اور خواری کا انتظام ہو اور وہ بیچارہ شرما کر معاشرہ میں چل پھر نہ سکے اور لوگ اس سے متنفر ہو جائیں اور کوئی اس سے بات چیت تک بھی نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ اس مذموم حرکت اور گندگی پھیلانے جیسی مہم کو شدید ناپسند کرتا ہے اور اس کو معاشرہ میں فتنہ وفساد پھیلانے کا مجرم قرار دیتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرض غیبت کا ہے۔ اس مرض سے بھی معاشرہ متعفن بن جاتا ہے۔ اگر آپ کو کسی کی خرابی یا عیب معلوم ہے تو اس پر پردہ رکھ لے۔ یہ صفت ستاری، رب تعالیٰ کی پسندیدہ صفت ہے۔ جس سے اپنی مخلوق کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اسے مسلمان! آج تو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو کل آخرت کے دن دوسروں کو بیان کرنا اتنا بڑا گناہ ہے اور مکروہ ترین فعل ہے کہ فرمایا جیسے تمہارے سامنے مردہ بھائی کی لاش موجود ہو تو سب کے سامنے اس لاش کو نوچ کر اس کا گوشت کھالے! کیا یہ ذلت آمیز فعل اپنے آپ کو گوارا ہوگا اور اس گری ہوئی حرکت کو تو برداشت کر سکتا ہے تا تصور میں لا سکتا ہے۔ اس طرح سمجھ لو کہ غیبت سے ایسے گندے اور ذلیل عمل کا تم ارتکاب کر رہے ہو۔ "عیب جوئی ایک انتہائی اخلاقی گراوٹ کا کام ہے۔ اس فعل کے بعد انسان اپنی انسانیت گم کر بیٹھتا ہے۔"

قوم، قومیت اور قبیلے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات: ۱۳)

"اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا۔ اور تمہیں قوموں میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ یہ قوم اور قبیلہ تمہاری شفاعت رہے۔ اس پہچان اور شفاعت کے ہوتے

ہوئے امتیاز و شرف کا مدار تقویٰ پر ہے۔"

اس زمین پر انسانوں کے آباد ہونے کے بعد ہی اس کی آبادی بڑھنے لگی، ان کی تعداد زیادہ ہونے لگی۔ وہ زمین کے مختلف حصوں میں رہائش، خوراک اور آب ہوا کی مناسب سے پھیلنے لگے۔ اس طرح وہ کسی ایک حظہ زمین میں کچھ لوگ آباد ہو کر ایک خاندان سے حسب و نسب میں اشتراک سے وہ ایک قوم بننے لگے۔ ان کی رہائش، ان کی خوراک اور ان کی بولی ایک تھی۔ یہ بولی ضرورت کے تحت وجود میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت فرمائی۔ پھر یہ لوگ کسی بڑے کے پیچھے ایک قوم سے متعارف ہوئے اور یہی قوم ان کی پہچان بن گئی اور دوسرے قوموں سے ان کی شفافت مختلف ہوئی! یہ اس قوم کی فطری ابتدا تھی اور یہ فطری خواہش یا ضرورت ان میں ہمیشہ موجود رہے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ جذبات اور احسات کے تحت، اس کو دوام حاصل ہو گا۔ یہ چونکہ شفافت اور پہچان کا ذریعہ ہے اس لئے اس کو آیات الٰہی، سنت الٰہی اور توحید کی نشانی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (الروم:٢٢)

"اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ نشانیوں میں سے (جو توحید پر گواہ ہیں) آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے۔ اور نشانیاں قوموں کی جدا جدا بولیاں ہیں اور انسانوں کے مختلف رنگ ہیں۔ ان پیدا شدہ چیزوں میں توحید کی نشانیاں ہیں ان کے لئے جو جانتے ہیں صاحب علم ہیں۔ غور و فکر کرتے ہیں۔"

جس طرح زمین و آسمان کی پیدائش برحق ہے ذات واحد پر گواہ ہے۔ جس طرح انسانوں کے مختلف رنگ، توحید پر گواہ ہیں، ان کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ اس طرح قوموں کی مختلف بولیاں اور ان کا وجود، باری تعالیٰ کے وجود پر اہم گواہی ہے ان کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ اس کو مٹانا گویا کہ توحید کی گواہی اور حق کی عظیم نشانی کو ملیا میٹ کرنے کے برابر ہے۔

ہر ایک قوم کی طرف سے ایک رسول اور رہبر بھیجا گیا۔ فرمایا "لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد: ٧)" میں آجائے پھر فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ

ہم نے جو رسول بھی مبعوث کیا وہ اس قوم میں سے تھا (داعی اور مدعوین ایک قوم سے تعلق رکھتے تھے)۔ رسول اور کتاب کی زبان اس قوم کی زبان تھی تاکہ پیغام اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

قرآن مجید میں بار بار اور واضح طور پر ہر پیغمبر کے لئے فرمایا کہ ہم نے ان کو اپنے قوموں کی طرف جن قوموں کے وہ حصہ تھے اور جن میں وہ شامل تھے اور ان کی قومی برادری میں ان کے ساتھ مربوط تھے۔ رسول اور ہادی بنا کر بھیجا تاکہ حجت الٰہی کامل طور پر ثابت ہو سکے۔ اس لئے اگر کتاب اس قوم کی زبان میں نہ ہوتی اور نبی اس قوم میں سے نہ ہوتا تو شہادت علی الناس کا پورا حق ادا نہیں ہو سکتا تھا۔

ارشاد فرمایا گیا کہ:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ (نوح: ١) "ہم نے نوح کو اپنی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا"

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ (الاعراف: ٦٥)

"ہم نے قوم عاد کی طرف ان کی برادری کا آدمی ہود کو نبی بنا کر بھیجا"

اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (النمل: ۴۵)
"ہم نے ثمود کی طرف ان کی برادری کا آدمی صالح نبی بنا کر بھیجا۔"
وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ (الاعراف: ۸۰) "لوط نے جب اس نے اپنی قوم کو پیغام دیا۔"
وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا (الاعراف: ۸۵)
"مدین والوں کی طرف ان کی برادری کا آدمی شعیب کو نبی بنا کر بھیجا"
حضرت موسیٰ کو کہا گیا ہے کہ: وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا
"اسے موسیٰ اپنے قوم کو تلقین کر کہ اچھی باتوں پر عمل کریں"
سیدنا مسیح کو اپنی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا
یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ (الصف: ۶)
"اے بنی اسرائیل قوم میں نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"
یہ تمام آیات الٰہی جو قرآن مجید میں مذکورہ ہیں یہ سب قوم کے وجود کو ثابت کر رہی ہیں۔

اب جو نادان اور بے علم شخص قوم کے وجود کو نہیں مانتا یا قوم کی تخلیق کا منکر ہے تو اس کے اسلام اور قرآن پر ایمان لانے پر بھی شک کیا جاسکتا ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ چوں کہ ایک قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئی بلکہ کائنات کی اقوام کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ" اس لئے اسلام کسی ایک قوم کا سرمایہ نہیں اور نہ ہی کوئی قوم مسلم قوم ہو سکتی ہے بلکہ اسلام اقوام عالم کا مشترکہ سرمایہ ہے اس لئے اسلام میں ساری قومیں شامل ہو کر ایک امت مسلمہ اور ایک امت واحدہ بن سکتی ہے اور یہی اس کا اعزاز اور افتخار ہے۔

اسلام بنیادی طرح ایک دین، ایک نظریہ حیات اور ایک ضابطہ زندگی ہے۔ یہ صرف روایتی مذہب، عبادتی دین اور رسومات اور خاص وضع قطع پر مبنی کلچر کا نام نہیں ہے۔ اس طرح مسلمان کوئی قوم نہیں ہے بلکہ دنیا کی اقوام، قبیلے، مختلف بولیاں بولنے والے اور مختلف نسلوں پر مشتمل تمام انسانوں کی ایک نظریاتی جماعت ہے ایک امت ہے۔ ایک حزب اللہ ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ: ۱۴۳) "تمہیں ایک امت اعتدال بنا کر پیدا کیا گیا"
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۰)
"تمہیں خیر امت اور انسانوں کے نفعہ کے لئے پیدا کیا گیا"
مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ (الحج: ۷۸) "تم جد امجد ابراہیم کی ملت میں شامل ہو۔"
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ (المجادلہ: ۲۲) "تم ہی تو اللہ کی جماعت ہو۔"
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلہ: ۲۲) "اللہ کی جماعت بن کر رہو تو غالب رہو گے"

قرآن مجید یا اسلام میں یہ تعلیم نہیں دی گئی ہے کہ "مسلمان ایک قوم ہیں" اسلئے مسلم قومیت یا اسلامی قومیت جعلی اور مصنوعی اصطلاحیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کی ایجاد میں جن کا قرآنی شعور اور اسلامی مطالعہ ادھورا ہے۔ قرآن مجید کے تمام مفسرین "شعوبا وقبائل" سے مراد قومیں اور قبیلے لئے ہیں اس میں کسی ایک بھی استثناء نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!

شعب: سے مراد انسانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔ (ابن جریر طبری)
شعب: تمام قبائل کا مجموعہ ہے۔ (زمخشری)
شعوب: شعب کا جمع ہے۔ شعب بڑی اجتماع کا نام ہے۔ (ابن الجوزی)
شعب: قبیلوں سے بڑا السنانی اجتماع ہے (القرطبی)
شعب: سب سے بڑا اجتماع، قبیلوں کا درجہ اس سے کم ہے۔ (ابن کثیر)
قبیلوں سے شعب بنتا ہے۔ قبیلوں سے قوم (فتح القدیر)
شعب: جد امجد جس طرف انسانوں کی نسبت ہوتی ہے۔ (روح المعانی)
اس دور کا ایک مصنف سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتا ہے کہ:
اسلام کی مذہب اور مسلمان کی قوم کا نام نہیں ہے۔ ورنہ جہاد کی تمام معنویت ختم ہو جائیگی! (اسلامی نظام زندگی)

اسلام کی تعلیم میں قوم کے وجود، قوم کے حقوق، قوموں کی خود مختاری، قومی وسائل اور پیداواری ذرائع پر حق ملکیت کو نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے مگر ان پر تسلط، قبضہ، ان کو سلب کرنا اور قوم کو خطہ سے دربدر کرنے کی شدید ممانعت کی گئی ہے بلکہ اس کو ظلم ڈاکہ قرار دیا گیا ہے۔ قومیت کے حقوق میں اسلام اور غیر اسلام کی تقسیم بھی نہیں ہے۔ اسلام نے قوم کے بعد ایک "عالمی انسانی برادری" کا تصور دیا ہے جس میں "الخلق عیال اللہ، العباد کلھم اخوان" تم میں بہتر ہے وہ شخص جو خدا کے عیال اور خدا کی مخلوق کے ساتھ عدل واحسان کرے۔ اس کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آئے۔

اس حقیقت کے بعد یہ بات پوری طرح ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ قوموں، قبیلوں اور برادریوں میں ایک انسان کی دوسرے انسان کے لئے عصبیت، دشمنی، نفرت، انتقام، ظلم، ظالم کی حمایت، اور مظلوم کے ساتھ ناانصافی کا رویہ اور سلوک ہرگز ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ اس عمل کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ اس کو ظالمانہ سلوک کہا گیا ہے۔ شرک کے بعد یہ عظیم ترین گناہ ہے۔ کبائر گناہوں میں انسان کی دل آزاری اور اس کو تکلیف پہنچانا ہے۔ ظالم کی حمایت ناقابل معافی جرم ہے اگرچہ وہ اپنی قوم اور قبیلہ سے ہو یا اپنا رشتہ دار ہو یا ماں باپ بیٹا اور بھائی ہو۔

سیدنا علی بن ابی طالبؓ کی شہادت کے آخری لمحات میں یہ وصیت یاد رکھنی چاہے کہ انہوں اپنے بیٹے حسنؓ کہ ارشاد فرمایا: کن للظالم خصمًا وللمظلوم عونًا" تم ظالم کے دشمن بن جاؤ اور مظلوم کے ساتھ اور مددگار"

اولاد کی والدین کے ساتھ جنت میں رہائش کی رعایت

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

(الطور: ۲۱)

"اور جو لوگ ایمان لائے اوران کی اولاد ایمان لاکر ان کے نقشِ قوم پر چلی تو ہم ان کی اولاد کو بھی جنت میں اس کے ساتھ رکھیں گے۔"

بنیادی طور پر نجات کی بنیاد "ایمان باللہ" پر ہے اس طرح ہر انسان کے لئے صالح عمل پر اجر کا استحقاق ہے۔ بد عملی پر عذاب مل سکتا ہے۔ جہنم کے متعلق یہ بات یقینی ہے کہ منکر خدا اور نافرمانی کرنے والے کو جہنم میں عذاب ملے گا۔ البتہ جنت میں داخلہ فقط رب کریم کے فضل وکرم کے تحت ہوگا۔ اس لئے وہاں کے انعامات واکرامات خدا کی مشیت سے مربوط ہوں گے۔ جنت میں داخل ہونے کے بعد ایک ضابطہ طئی ہوا ہے کہ جو انسان کسی بلند اوراعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوں گے۔ جو شہید صدیق اور مقرب بارگاہ ایزدی ہوں گے ان کو جنت میں عظیم مقام پر رکھا جائیگا تو ان کی اولاد، بیٹے، بیٹیوں، ماں باپ وغیرہ کو بھی جو ایمان و عمل سے متصف ہوں گے۔ اور وہ جنت میں داخل ہونے کے حقدار بھی ہوں گے۔ مگر درجات میں اپنے بڑوں سے کم تر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم اور لطف ایزدی سے ان کو اپنے والدین کے ساتھ رکھیں گے ان کے درجات میں بلندی کی جائیں گی تاکہ ان کے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور وہ مزید اکرام الٰہی سے مستفیض ہو جائیں۔ مگر ان کے اپنے مقام و مرتبہ میں کسی قسم کی کمی نہیں آئیگی اور نہ ہی درجات میں نیچے لایا جائیگا۔ بلکہ ان کی اولاد کو مزید مقام عنایت فرما کر ان عظیم شخصیتوں کے ساتھ رہائش رکھی جائیگی۔ یہ رب ذی الجلال والاکرام کی کتنی بڑی عنایت اور کرم نوازی ہے۔ جس کی رحمت، شفقت بے پایاں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

پانی قدرت کا عطیہ

اَفَرَءَیۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ (الواقعہ: ۶۸)

"کیا تم نے اس پانی کو دیکھا ہے، جو اپنی زندگی کی بقا کے لئے پیتے رہتے ہو۔"

ماں کے بطن سے انسان کا پیدا ہونا، زمین سے اناج کا نکلنا، بارش کے ذریعہ پانی کا برسنا، درخت سے آگ کا نکلنا، یہ تمام چیزیں براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے عظیم نعمتیں ہیں۔ پانی کے معاملے میں غور کرو، کس طرح اس کو میٹھا بنا کر انسان کے استعمال کے لائق بنا دیا گیا ہے۔ پانی کا اصل ذخیرہ سمندروں میں موجود ہوتا ہے۔ سمندر کے پانی کا رسواں حصہ کڑوا ہوتا ہے۔ یہ خدا کا کرشمہ ہے کہ سمندروں سے بخارات کے ذریعہ جب پانی اوپر اٹھتا ہے تو خالص پانی اوپر رہتا ہے۔ نمکین حصے نیچے رہتے ہیں بارش کا نظام، نمک کو ضائع کرنے کا ایک آفاقی عمل ہے۔ اگر قدرت کا یہ انتظام نہ ہوتا تو بادلوں سے پانی کڑوا بن کر برستا رہے پھر پہاڑوں پر جمی ہوئی برف، دریاؤں، ندیوں اور چشموں سے ہمارا پانی کڑوا بن کر ہم تک پہنچے۔ انسان کے لئے پانی ایک مسئلہ بن جائے "لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا" اگر ہم چاہتے تو اس پانی لو کڑوا ہی رکھتے اوران کو میٹھا نہ بناتے تو ایسا ہم کرسکتے تھے۔ کیا تم اتنی بڑی نعمت خداوندی پر غور وفکر نہیں کرتے اور پھر اللہ کا حمد و شکر نہیں بجالاتے!

اصحابؓ کے درجات میں فرق

لَا يَسۡتَوِیۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقٰتَلَ (الحدید: ۱۰)

"تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے انفاق کیا اور جہاد کیا، ان کا درجہ بعد میں مسلمان بن کر انفاق وجہاد کرنے والوں سے بہت بڑا ہے۔ یہ مرتبے میں ایک جیسے نہیں ہوسکتے۔"

اسلام کی دعوت جس معاشرہ میں پیش کی جاتی ہے تو اس کی ابتدا یعنی پہلے اسلام قبول کرنے والے دلیل وشعور کی بنیاد پر ایمان لاتے ہیں۔ اس دور میں وہ سعید ارواح اسلام میں داخل ہوتے ہیں جن لوگوں نے عقل وشعور سے کام لیا اور وہ دلیل کی بنیاد پر حق کو حق تسلیم کرتے ہیں اس دور میں ایمان، جہاد، انفاق اور ہجرت کے مرتبے اور فضیلتیں وہ مقام اور درجہ رکھتی ہیں کہ اناج کا ایک دانہ خرچ کرنے سے احد پہاڑ کے برابر سونے اور چاندی کے خرچ کرنے کے برابر ہے۔ جب دوسرا دور آتا ہے، اسلام کو غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ وہ مصائب وآلام بظاہر کم ہو جاتے ہیں "يَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِيۡنِ اللّٰهِ" کا منظر سامنے ہوتا ہے تو اس وقت حق کو دلیل وشعور کی بنا پر نہیں بلکہ فتح اور غلبہ کی بنیاد پر قبول کیا جاتا ہے اس وقت اسلام ایک تاریخی حیثیت قائم کرتا ہے پھر اس وقت کے مسلمانوں کو ان پہلے لوگوں سے کیا مناسبت؟ ان کا ان کے ایمان سے کیا تقابل؟

جن اصحاب رسولؐ نے مکہ میں قریش کے مظالم برداشت کیے، حبش کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ میں آکر دوسری ہجرت کی، بدر، احد، خندق، خیبر، حنین میں معرکہ سر کئے، ان سے فتح مکہ کے بعد حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے کیسے برابر ہوسکتے ہیں۔

"لایستوون عنداللہ" یہ دونوں ایک مرتبے جیسے ہرگز نہیں ہوسکتے!

"اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ" پہلے دور کے اہل ایمان کے لئے اللہ کے ہاں بہت زیادہ درجات ہیں۔

عادلانہ معاشی نظام

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ كَىۡ لَا يَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَيۡنَ الۡاَغۡنِيَآءِ مِنۡكُمۡ ؕ (الحشر: ۷)

"جو کچھ اللہ تعالیٰ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کو بطور فیٔ دلوائے وہ اللہ اور رسول، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ وہ مال تمہارے دولت مندوں کے طبقہ کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔"

اسلامی غلبہ کی صورت میں جو مال مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے اس کو مال فی کہتے ہیں اس پر فوجی سپاہیوں کا حق نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب ریاست کی ملکیت میں آتا ہے اس کے مصارف اس آیت میں بیان کے گئے ہیں۔ اس لئے کے جہاد کا ہر مال فوجیوں میں تقسیم کیا جائے گا تو دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں رہے گا۔ معاشرہ میں

ایک دولت مند طبقہ وجود میں آجائیگا۔ یہ بات اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے سراسر خلاف ہے۔ دولت انسانی سماج کے لئے خون کی طرح ہے خون اگر بدن کے ایک حصہ میں رک جائے اور گردش نہ کرے تو خوف ہے کہ انسان کی ہلاکت ہو جائے گی۔ اس طرح دولت اگر پورے سماج میں پھیلتی نہ رہے اور چند لوگوں کے پاس جمع ہوتی رہے تو یہ سماج محتمند نہیں رہے گا بلکہ مریض معاشرہ کہلائے گا۔ اس سے بڑی بڑی خرابیاں ظہور میں آئیں گی۔ امن کا اجتماعی معاشرہ انتشار ملی کا شکار ہو جائیگا۔ اس لئے اسلام نے ہدایت دی ہے کہ دولت ایک حصہ میں جمع نہ ہونے دو۔ دولت کو چند لوگوں کی ذاتی ملکیت بنانے کی کوشش نہ کرو بلکہ ایسا نظام قائم کرو کہ دولت ہر ایک انسان تک بطور کفالت پہنچ جائے اور کوئی شخص محروم نہ رہے۔ مشہور فقیہ قاضی ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ جب ایران فتح ہوا تو مسلمان فوجوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص (فاتح ایران) سے مطالبہ کیا کہ مفتوحہ زمینیں ہم میں تقسیم کی جائیں۔ اس مطالبہ میں مدینہ کے کچھ اصحاب بھی شریک تھے۔ مگر سیدنا عمر فاروقؓ نے اس مطالبہ کو یکسر مسترد کر دیا۔ انہوں نے اپنے موقف میں جس قرآن مجید کی آیت سے استدلال کیا وہ یہی آیت تھی اس آیت میں غلبہ کی صورت میں اموال کی تقسیم کے مصارف بیان ہوتے ہیں قاضی ابویوسف کہتے ہیں کہ حضرت عمر فارقؓ نے صحابہؓ کو کہا کہ اگر ہم نے ان زمینوں کو آج تقسیم کر دیا تو "والذین جاؤ من بعدھم" وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، ان کو کفالت کے لئے کیا دیا جائیگا؟

قاضی ابویوسف کی راء کے مطابق حضرت فاروقؓ کا یہی موقف تھا کہ تمام زمینیں مفتوحہ سب مسلمانوں کی ملکیت ہیں ان کی تقسیم جائز نہیں۔ اس لئے انہوں نے مصر، آفریقا، شام اور ایران کے گورنروں کو حکم دیا کہ کہیں بھی کوئی زمین مسلمانوں میں ملکیت طور پر تقسیم نہ کی جائے اور نہ اس کی انفرادی خرید و فروخت کی اجازت دی جائے۔

حضرت عمر فاروق کا خیال تھا کہ "كَيۡ لَا يَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَيۡنَ الۡاَغۡنِيَآءِ مِنۡكُمۡ" اس تقسیم سے دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے گی اور عام انسان اس سے محروم ہو کر افلاس کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

یہ موقف صرف سیدنا عمر فاروقؓ کا نہیں تھا بلکہ صحابہ کرام کی نمائندہ جماعت کے سامنے جب انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت فرمائیں تو تمام اصحابؓ اس راء سے اتفاق کر لیا کہ اور یہ بات قرار پائی کہ تمام مفتوح زمینیں سب مسلمانوں کی ملکیت میں ہوں گی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس دور میں عوام کی معیشت کا دار و مدار زمین کی پیداوار پر تھا۔ زمین کو اتفاق راء سے قومی ملکیت میں لانے کا مطلب یہی ہے کہ اسلام پیداواری ذرائع کو جہاں کہیں بھی استحصال کی شکل سامنے آئے تو اس کو قومی ملکیت میں لانے کے لئے تیار ہے۔ استحصال اور اجارہ داری سے پاک معاشرہ ہی اسلام کا مطلوب معاشرہ ہے۔

اگر اسلام کا معاشی کفالت والا معاشرہ مطلوب نہ ہوتا تو دولت مندوں میں جمع مال اور دولت کی گردش کو روکنے والے اصول وضع ہی نہ کیے جاتے، اس لئے آج کے عہد میں اسلام کے معاشی اصولوں کو قوانین کی شکل میں نافذ کر کے عدل اجتماعی کا نظام بطور ماڈل انسانیت کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے اور ایسے اجتماعی انصاف کے نظام کی موجودگی میں انسانیت کو صرف اسلام کے دامن رحمت میں ہی پناہ مل سکتی ہے۔

آج اور کل کی حقیقت

وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ (الحشر: ۱۸)

"اور ہر شخص اس بات پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے؟"

موجودہ یہ پوری کائنات، انسان کے لئے آج ہے۔ آخرت کی زندگی کل ہے۔ قرآن مجید نے انسان کی زندگی کو فقط دو دن قرار دیا ہے۔ ایک آج کا دن دوسرا کل کا دن، انسان کا آج کل کے لئے ہے۔ جو آج کرے گا اس کا نتیجہ کل ضرور دیکھے گا۔ رائی کے دانے جتنا عمل بھی، چاہے خیر کا ہو یا بدی کا اس کو نہ صرف دیکھے گا بلکہ اس کا اثر اس پر مرتب ہو کر رہے گا۔ انسان اس کو ایک ثابت شدہ حقیقت سمجھے اس حقیقت کا دوسرا نام "اسلام" ہے انسان کی کامیابی اسی میں ہے کہ اس حقیقت کو سمجھے، دل سے اس پر یقین کر لے۔ اپنا ذہن اس پر مطمئن کر دے۔ جو شخص زندگی کی اس حقیقت عظمیٰ سے غافل بن جائے پھر اس کی زندگی غلط رخ پر چلی جائیگی پھر اس کا نتیجہ کل کے دن ضرور بھگتنا پڑے گا۔

کیا انسان اس دنیا کی بھول بھلیوں میں گم ہو جانا چاہتا ہے؟ یا کہ چند لمحے نکال کر اس اہم بات پر سوچنا اور غور کرنا پسند کرے گا کہ وہ کل کی زندگی کے لئے کیا اور کیسی منصوبہ بندی کر چکا ہے؟ کیا وہ صرف آج کے لئے پیدا ہوا ہے اور کل اس پر آئے گی ہی نہیں۔ یہ تو انسان کی بہت بڑی بھول ہوگی۔ اگر کل اس پر آگئی تو وہ پھر کیا کرے گا اور اس کو پچھتاوی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

حاملین توراۃ کو گدھے سے تشبیہ

مَثَلُ الَّذِيۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ (الجمعہ: ۵)

"جن لوگوں کو تورات کے علم و فضل کی سعادت بخشی تھی۔ پھر انہوں نے اس ذمہ داری کا بوجھ نہیں اٹھایا یعنی پیغام الٰہی کا حق ادا نہ کیا تو ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بڑی بڑی کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔"

کسی بھی قوم یا گروہ کی طرف پیغمبر کے ذریعہ جب کتاب نازل کی جاتی ہے تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مطابق زندگی سنواری جائے۔ خدائی مشیت اور پیغمبروں کا مطالبہ انسانوں سے یہ ہوتا ہے کہ وہ کتاب الٰہی سے ہدایت حاصل کریں۔ جن لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جاتا ہے وہ حق اور سچ کی گواہی دیں۔ اور عملی طور پر اس کا اظہار کریں۔ یہودی علماء کا رویہ یہ ہوتا ہے تھا کہ وہ کتاب الٰہی کے مقاصد اور معانی کو جانتے بوجھتے کبر اور غرور میں مبتلا تھے۔ عوام پر اپنی برتری جتاتے تھے مگر خود اسپر عمل نہیں کرتے تھے۔ کتاب الٰہی کے ذریعہ لوگوں سے دولت سمیٹنا اور عیاشیاں کرنا ان کا مشغلہ رہ گیا تھا۔ قرآن مجید ان پر تبوہ کرتا ہے کہ لوگ "حاملین توراۃ" نہیں رہے بلکہ ان کی مثال ان گدھوں جیسی ہے کہ جن کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوئی ہیں اور وہ ان کتابوں کو لے کر پھرتے رہتے ہیں۔ اب گدھے پر کتابوں کا بوجھ ہو یا کسی اور سامان کا بوجھ

ہواس کے لئے یکساں صورت ہے۔ تو ایسے علماء کے لئے ان کتابوں کا علم ہونا یہ علم نہ ہونا برابر ہے۔
گدھے سے تشبیہ کی مثال صرف یہود قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ یہ تشبیہ امت مسلمہ کے علماء پر بھی چسپاں ہو سکتی ہے۔ حاملین قرآن اگر حب دنیا میں اندھے ہو جائیں، قرآن کے معانی اپنے مطالب اور مقاصد کے لئے بیان کرنا شروع کر دیں۔ چند ٹکوں کی خاطر فتوے بیچتے رہیں۔ جانتے سمجھتے ہوئے عوام کو شرک اور بدعات میں پھانستے رہیں اور دولت سمیٹنا ہی ان کی ہدف رہ جائے تو بلاشبہ یہ علم و فضل رکھتے ہوئے بھی گدھوں کی طرح ہی خدا کے ہاں پیش ہوں گے اور دنیا میں ذلت و خواری بھی گدھوں جیسی ان کی ہو گی۔ قرآن مجید کا علم اور اس کی سعادت کا حصول ایک گراں قدر خدائی عطیہ ہے۔ مگر یہ اس طرح باعث سعادت ہو گا کہ انسانیت کے فلاح کے لئے پیش اور سب سے پہلے قرآن کے مقاصد پر خود عمل پیرا ہو ورنہ یہی علم و فضل روز قیامت وبال بن کر سامنے آئے گا اور قرآن کا حق ادا نہ کرنے کی مسؤلیت بڑی شدید ہو گی۔

ہار اور جیت کا دن

یَوۡمَ یَجۡمَعُكُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِكَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ (التغابن: ۹)

"جب تم کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا اور وہ دن ایک جگہ جمع ہونے کا دن ہے اور وہی دن ہے ہار جیت کا دن"

عام طور پر انسان اس دنیا کو ہارنے اور جیتنے کی جگہ تصور کرتے ہیں۔ کسی شخص کو اس دنیا میں کوئی کامیابی مل گئی تو وہ خوش ہو جائیگا۔ کسی تجارت میں بڑا نفع حاصل ہوا، کسی کو بڑی اچھی ملازمت مل گئی، کسی کو حکومت میں بااختیار عہدہ مل گیا، کوئی شخص ملک کا صدر، وزیر اعظم، کسی ادارہ کا چیئرمین بن گیا تو وہ سمجھے گا کہ میں بہت بڑی چیز بن گیا ہوں۔ کسی شخص نے اپنی رہائش گاہ کے لئے بہت بڑا محل تیار کر لیا، کئی شہروں میں ذاتی مکانات بنا لئے۔ آگے پیچھے موٹروں اور گاڑیوں کے ہجوم ساتھ لئے پھرتا ہو۔ تو ایسا شخص اپنی کامیابی اور کامرانی میں کوئی شک نہیں کرے گا۔ کئی خوشامندی لوگ سلام کرنے جو صبح و شام اس کے آگے دھکے کھاتے پھریں گے۔ مدح سرائی اور ان کے اخلاق کے چرچے ہوتے رہیں گے۔ کچھ تو لوگ یوں بھی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت راضی ہے کہ اتنے اس پر انعامات ہو رہے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں مفلس، مجبور اور محروم لوگوں کے متعلق یہی کہا جاتا ہے یہ شخص تو دنیا کا نام ترین شخص ہے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں، یہ تو پیدا ہی کیوں کر ہوا؟ مگر قرآن مجید اس کے برعکس یہ بات بتاتا ہے کہ اے انسان تو دنیا کے دھوکے میں نہ آ، اس دولت عارضی پر فخر و غرور نہ کر!

ہارنے اور جیتنے کی دنیا، یہ دنیا نہیں بلکہ آخرت کی زندگی ہے۔ اس زندگی میں معلوم ہو جائیگا کہ کس نے ہارا اور کس نے جیتا؟ یہاں تو مادی اشیاء کو دیکھا جاتا ہے اور فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کون کامیاب ہے؟ مگر آخرت، خدائی اخلاقیات، کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ کون فاتح اور کون مفتوح۔ انسان اس دن حیران ہو جائیگا کہ دنیا میں جیتنے والے آج یہاں ناکام اور نامراد بن چکے ہیں۔ اسلام کے بنیادی عقائد میں اس بات کو اہمیت حاصل ہے کہ آپ کے تمام اعمال آخرت کی بنیاد پر ہوں حتیٰ کہ جن اعمال کو دنوی سمجھا

جاتاہے، گھر والوں کی کفالت، پڑوسیوں سے ہمدردی، غریبوں اور مسکینوں کی مشکلات میں مالی تعاون، انسانوں کے لئے نفعہ آوری وغیرہ یہ بھی سب اعمال، خدا کی رضا کے تحت ہوں تو وہ دین بن جاتے ہیں اور سب عبادت میں شامل ہوتے ہیں اور ان اعمال پر بھی بہت بڑا اجر ملے گا۔ بہر حال آخرت کی حقیقی زندگی پر یقین رکھ کر اعمال کئے جائیں اور کامیابی کا تصور یہ دنیا نہیں آخرت کی زندگی میں خدا کی رضا اور اس کے ابدی انعامات کے حصول پر نگاہ ہونی چاہے۔ ایسے انسان کو "کامیاب انسان" قرار دیا جائیگا۔

اہل خانہ کی نجات کی فکر

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا (التحریم: ۶)

"اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

دنیا کے امور اور معاملات میں، انسان کسی چیز کو حق سمجھتا ہے مگر اس کی اہلیہ اس کے برعکس راء رکھتی ہے جو حق کے خلاف ہوتی ہے۔ اس صورت حال میں انسان اپنی اہلیہ سے بیحد چاہت، اس کو خوش رکھنے کی خاطر اور اس کے اصرار پر حق سے منہ پھر لیتا ہے پھر وہی کرتا ہے جو اس کی بیوی چاہتی ہے۔ یہ واضح غلطی اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ وہ اس دنیا میں چند بے اصولیاں اور چند غیر شرعی کام ایک عورت کی چاہت اور محبت میں تو کر لیتا ہے مگر وہ اپنی عاقبت کے بربادی کرنے کے ساتھ اس عورت کی ہمیشہ والی زندگی تباہ وبرباد کر رہا ہے۔ یہ اس کے ساتھ ہمدردی اور شفقت نہیں ہے بلکہ جان بوجھ کر عقل وشعور کے خلاف پاگل پن کا مظاہرہ کر کے پورے خاندان بچوں سمیت سب کی زندگیاں خراب کر رہا ہے۔ کل کے دن وہ ان سارے لوگوں کو اپنے سمیت خدا کے عذاب سے کیسے بچ سکتا ہے! اگر انسان تھوڑی سے سمجھ سے کام لے۔ حوصلہ عزم کر لے، ثابت قدمی کا مظاہرہ کر لے اور دلیل وشعور سے اپنی بیوی کو سمجھائے اور حق کا قائل کر دے اور خود اس کے سامنے ڈھیر نہ بن جائے تو بیوی کو بھی راہ راست پر چلایا جاسکتا ہے اور بچوں کی تربیت بھی بہتر اصولوں پر کی جاسکتی ہے۔ اس طرح یہ خاندان حق پر ثابت قدم رہ کر آخرت کے عذاب سے محفوظ بھی ہو سکتا ہے اور خدائی اکرامات کا مستحق بھی بن سکتا ہے۔

انسان عام طور پر چھوٹی چھوٹی غلطیاں کر کے بڑی ہولناک غلطیوں کی طرف سفر کرتا ہے پھر اس کو اپنی غلطیوں کا احساس بھی نہیں رہتا۔ انسان کو صرف اپنے خاندان کی چاہت تک محدود نہیں رہنا چاہیئے بلکہ اپنے معاشرہ پر بھی نظر رکھنی چاہیئے کہ کہاں کہاں میں کسی محروم اور بے کس انسان کے مصائب اور آلام میں کمی کر سکتا ہوں اور میری وجہ سے انسان پر خوشیوں کے آثار نظر آئیں۔

احساس ندامت توبہ ہے

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ (التحریم: ۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے سامنے سچے دل کے ساتھ توبہ کرو۔"

موجودہ دنیا، جیسا کہ امتحان کی زندگی ہے اور عارضی طور پر آزمائش سے گذار اجارہا ہے۔ اس لئے امتحان دینے والے عرصہ میں انسان سے غلطیاں ضرور سرزد ہوں گی۔ کمی بیشی ضرور ہوگی، اب ان غلطیوں کی معافی کا کیا طریقہ ہے۔ کیا انسان غلطی کرنے کے بعد پھر پاک وصاف بن سکتا ہے۔ اس بات کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے ایک راستہ تجویز کیا ہے وہ راستہ ہے "توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ" سچی دل کے ساتھ، دل کے اخلاص اور طہارت کے ساتھ، خشوع وخضوع سے بارگاہ ایزدی میں پہنچ کر معافی طلب کی جائے۔ گناہ پر ندامت اور افسوس کا اظہار کیا جائے اور عجز وانکسار کے ساتھ آنسو بہائے جائیں۔ اس عمل اور رجوع الہٰی اللہ سے خدائے کریم کے فضل وکرم میں یقین ہے کہ اس خطاکار بندے کے سارے گناہ! جی ہاں سارے گناہ! معاف کیے جائیں گے اور یہ بندہ پاک وصاف بن جائیگا۔ ایسا پاک صاف کی اس نے گناہ کیے ہی نہیں تھے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (القرآن)

"میرے بندوں کو میرا پیغام پہنچادو کہ جن لوگوں نے ایمان کے بعد گناہ کیے ہیں اور اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور کئی زیادتیاں کی ہیں۔ ان گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ صرف اس کی طرف رجوع کرلو اور سچی دل سے معافی مانگ لو۔"

التائب من الذنب کمن لا ذنب له (الحدیث) "گناہوں سے سچی دل سے توبہ کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف واپس ہونے والا بندہ ایسا ہو گیا جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا۔"

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ توبہ اور استغفار کی معنی ان الفاظ کا دہرانا نہیں بلکہ خدا کے حضور ندامت کا اظہار کرنا ہے۔ الندم التوبه "پشیمان ہونا توبہ ہے" یتوب ثم لایعود "توبہ کرنے والا ایسا ہو کہ پھر گناہ کی طرف واپس نہ ہو۔" یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ خطاکار کے لئے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ ورنہ کوئی شخص عذاب سے بچ نہیں سکتا ہیں اور اس کی نعمتوں کے حقدار بن سکتے ہیں۔

قیامت کے روز خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ (القلم: ۴۲)

"وہ دن آنے والا ہے جب ساق کھل جائیگی اور لوگوں کو سجدہ ریز ہونے کی دعوت دی جائیگی۔"

جب قیامت کا دن قائم ہوگا۔ دنیا کے اگلے اور پچھلے سب انسان ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ اچانک رب ذوالجلال سب کے سامنے آجائیں گے۔ رب کریم جل وعلیٰ کو دیکھتے ہی ساری اہل ایمان فوری طور پر سجدہ میں چلے جائیں گے۔ جیسا کہ وہ دنیا میں ہر وقت ذات حق کے سامنے سجدے کی کیفیت میں ہوتے تھے۔ یہ حال تو اہل ایمان کا ہوگا۔ مگر شرک اور منافق لوگ سجدہ کرنے کی قوت سے محروم رہیں گا۔ ان کی کمر اکڑی ہوئی ہوگی وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ ان لوگوں نے دنیا میں غرور اور استکبار کی وجہ سے سجدہ کرنے کا انکار کیا تھا۔ سجدہ کی قوت رکھنے کے باوجود ان لوگوں نے سجدہ نہیں کیا تھا آج ان کو سجدہ کرنے کی نعمت سے محروم

کر دیا جائیگا۔ یہ بدنصیب لوگ خدا کے سامنے دیکھ کر بھی سجدے سے محروم اور اس کی توفیق نہ ملنا ازلی شقاوت سے ہمکنار ہونا ہے۔

مؤمنین صالحین کو یہ انتہائی عظیم سعادت مل رہی ہوگی کہ آج ذات حق ان کے سامنے جلوہ گر ہوا ہے اور وہ ان کا سجدہ قبول فرمارہا ہے۔ اس سجدہ میں کتنا سرور، کیف اور چاہت ہوگی کہ ہزاروں سجدے تو ان لوگوں نے ایسی حالت میں کیے تھے کہ ان کو دیکھا ہی نہیں تھا اور آج وہ قادر مطلق ہستی اور محبوب کائنات سامنے موجود ہے اور ہم ان کے سامنے ان کے قدموں میں سر رکھے ہوئے ہیں۔ کیا شان کبریائی؟ اور کیا سعادت عظمٰی اہل ایمان کے لئے؟

اور پھر ایسے لوگوں کی بدقسمتی کا کیا کہنا کہ وہ دنیا میں ایمان کا دعوے کرتے پھرے اور خدا کے سجدہ سے کئی کتراتے رہے اور آج وہ بارگارہ ایزدی کے سامنے آنے سے اور سجدہ کرنے سے بدنصیب ہوگئے۔

دین کی عالمگیریت

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (الاعلیٰ: ۱۸تا۱۹)

"اے پیغمبر جو بات آپ سے کہی گئی ہے یہی بات پہلے صحیفوں میں مذکور ہے جو ابراہیم وموسیٰ کو صائف دے گئے ان میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے۔"

اسلام ایک عالمگیر دین سے پہلے نبی کے آنے سے جس تعلیم کی شروعات ہوئی، وہی تعلیم آخری نبی کے آنے تک برقرار رہی۔ اسلام کی بنیادی باتیں، اساسی عقیدے۔ عبادات، اچھے اعمال اور اخلاقیات وغیرہ وہ سب کے سب ایک جیسے ہیں، جو تمام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانیت تک پہنچے ہیں۔ یہ جو مذاہب کے درمیان نفرت اور عصبیت پیدا کی گی ہے یہ انسانوں کی کم ظرفی کی وجہ سے ہے۔ اور ایسے جاہل انسان پیدا ہوئے ہیں؟ ومذاہب کے مشترکہ اثاثہ پر متحد ہو کر عمل کرنے کے بجائے بے بنیاد الزامات لگا کر، انسانیت کے عظیم پاکباز اور معصوم انسانوں کی توھین کرنے اور ان کی حقارت کرنے سے ان کے کبر وغرور کو سکون ملتا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ہر نبی کے ذریعہ اس سے پہلے آنے والے نبی کی تصدیق اور اس کی کتاب کی تصدیق کر دی گئی ہے اور ہمارے پیغمبر ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں اور ان پر نازل شدہ کتاب آسمانی کتابوں میں آخری کتاب ہے۔ اس کتاب الہٰی میں اہل ایمان کو ارشاد فرمایا گیا کہ: كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ:۲۸۵)

"رسول اور اہل ایمان سب کے سب ایمان لائے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اور اس کی نازل شدہ سب کتابوں پر، اور اس کے تمام بھیجے ہوئے رسولوں پر، ہم اس کے رسول میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، کہ کسی کو کا مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔" پھر فرمایا کہ "اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً" تمام انبیاء کرام کے پیروکاروں کی ایک امت واحد ہیں۔ حضرت رسول ﷺ اور قرآن مجید نے تمام مذاہب کی تفریق اور عصبیت کے بند توڑدے ہیں اور انسانیت کو ایک شاہراہ پر جمع کرنے کا پیغام دیا ہے۔ فساد فی الارض کو ختم کردو۔ ظلم وعدوان اور سرکشی سے باز آجاو، ہدایت الہٰی کے آخری ایڈیشن قرآن مجید پر سب جمع ہو جاؤ۔ قرآن مجید، صحف ابراہیم

وموسیٰ ایک ہی چیز ہے۔ اسلام ایک عالمگیر اور وحدت انسانی کا منشور ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام مربوط ہیں۔ نجات کے اس پیغام پر ساری دنیا کو متحد ہونا چاہیئے۔

تزکیہ نفس

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس: ۹تا۱۰)

"یقیناً کامیاب وجود وہ ہے جس نے اپنی فطرت صالح کو پاک صاف رکھا اور نامراد شخص وہ ہے جس نے اپنے وجود کو ضائع کر دیا۔"

انسانی جسم میں روح موجود ہے، جس سے زندگی وابستہ ہے۔ روح کو "امر ربی" کہا گیا ہے۔ اس روح کو نفس سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ کبھی اس نفس کو شعور، اختیار اور ارادہ بھی کہا گیا ہے۔ اس کو فرقان (حق اور باطل میں تمیز) بہ قرار دیا گیا ہے۔ نفس میں نیکی اور بدی کا الہام بھی کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہدایت اور ضلالت کا شعور رکھا گیا ہے۔ الاثم ماجاك فی نفسك "گناہ وہ ہے جس سے آپ کے نفس میں کھٹکا پیدا ہو۔" یعنی نفس بھی گناہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اب نفس کے پاک جذبات کو ترقی پر لے جانا تزکیہ نفس قرار پایا۔ مگر نفس کے منفی جذبات کو اگر پروان چڑھایا گیا اور اس کی پیروی کی گئی تو آپ نے اپنے نفس کو خاک آلود کر دیا۔ نفس کی طہارت اور نفس کی خباثت کے لئے انسان کو ارادہ اور اختیار دیا گیا ہے۔ اس پر جزا اور سزا کا دارومدار ہے۔

انسان کی بہتر صورت گری

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین: ۴)

چار مقامات کی گواہی ابھی پیش کی گئی ہے جو چار پیغمبروں سے نسبت ہیں۔

"بے شک ہم نے انسان کو بہترین حالت اعتدال میں پیدا کیا۔"

التین: جودی جبل پر خوف نوحؑ کی بنائی ہوئی مسجد۔

الزیتون: بیت المقدس کی مسجد، جہاں سیدنا مسیح علیہ السلام نے جنم لیا۔

طور سینا: جس پہاڑ پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی۔

البلد الامین: مکہ مکرمہ جہاں رسالت مآب ﷺ کی پیدائش ہوئی۔ جہاں نبوت ملی، جہاں اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر کعبۃ اللہ، تعمیر ہوا۔

ان چاروں پیغمبروں کے کردار، بزرگی، طہارت اور بلند مقام کی گواہی ہے کہ انسان کو بے حد متوازن تقویم اور حسن صورت سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کو اعلیٰ مقام تک پہنچنا چاہیے۔ مگر وہ اپنے مقام سے گر گر اسفل درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ان کے ہیرو اعلیٰ کردار کے مالک برگزیدہ شخصیات کو ہونا چاہیئے مگر وہ دنیا پرستوں اور مفاد پرستوں کو اپنا آئیڈیل بنا کر نچلے مقام تک آجاتا ہے۔ اس کے بعد وہ شرف انسانیت سے

محروم ہو جاتا ہے۔ ہاں جن لوگوں نے خدا پرستی، حسن عمل اور نافع انسانیت کے کام کیے اور ان پر ثابت قدم رہے قرآن کے لئے بے حساب اجر تیار کیا گیا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اعمال کے انجام کا انکار کرسکتے ہو؟ کیا اللہ کی بادشاہت اور حاکمیت دنیا اور آخرت میں قائم نہیں ہے؟

اعمال کو اپنے آنکھوں سے دیکھنا

يَوْمَىِٕذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ (الزلزال: ٦)

"اس روز لوگ جدا ٹولے بن کر خدا کے حضور پہنچیں گے تاکہ ان کو اپنے اعمال دکھائے جائیں"

قیامت کی ابتدا زلزلوں سے ہوگی۔ زمین میں دفن شدہ تمام چیزیں، (خزانے دفنے معدنیات) باہر نکل آئیں گی۔ انسان ان کو دیکھ کر حیران ہو جائیگا۔ کہے گا یہ ہیں وہ چیزیں جن کی خاطر میں نے اپنی آخرت برباد کر دیا تھا۔ پروردگار کی دی ہوئی طاقت سے یہ تمام اشیاء اپنے حالات کو بیان کریں گی۔ تمام انسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور وہ ایک جگہ جمع ہوتے جائیں گے تاکہ وہ اپنے آپ دنیا میں کردہ اپنے اعمال کے مشاہد کریں۔ سب اعمال (نیک وبد) عالم مثال میں شکلوں کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ انسان ذرہ بھر کی چیز بھی دیکھ لے گا۔ پھر ان اعمال کو ترازو میں تولا بھی جائے گا۔ عمل کا بھاری ہونا یا ہلکا ہونا، اخلاص، ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر ہوگا۔ جن اعمال کو ہم اس دنیا میں دیکھ نہیں سکتے، نماز کا اجر، روزہ کا ثواب ہمدردی خیر خواہی اور احسان کا اجر، اس کے سوا ظلم، جبر، ناانصافی، دل آزاری کے گناہ، یہ سب عمل، ان کا اجر، اور سب گناہ اور ان کی ہلاکتیں مختلف اشکال میں دکھائے جائیں گے، ان کے نتائج کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ پورا پورا بدلہ ہر انسان کو دیا جائیگا۔

کامیابی کے بنیادی اصول

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (العصر: ۱تا۲)

"زمانے کے انقلابات اور دورِ تغیرات کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ نوع انسانی نے دنیا میں نقصان اور تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا، ہاں جن لوگوں نے خالق کائنات پر یقین کر لیا اور اعمال صالحہ کرتے رہے (خدا اور مخلوق کے حقوق ادا کرتے رہے) حق بات کہنے پر کاربند رہے اور حق کی راہ میں مشکلات و مصائب کے وقت ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے رہے (صرف ایسے ہی لوگ فلاح اور کامرانی سے ہم کنار ہوں گے۔)"

ہر انسان اپنی کوششوں میں ناکام رہا ہے۔ یہ ناکامی انسانوں کی ہمہ گیر رہی ہے۔ افراد اور اقوام پر مشتمل ہے۔ یہ بہت بڑی دعویٰ قرآن مجید نے کی ہے۔ اس دعوے پر دلیل، زمانے کے واقعات، تاریخ کا عروج وزوال، ابن آدم کے کارنامے، ان کے سوانح حیات اور اس کے تمام کردہ اعمال اور ماضی کا پورا ریکارڈ شاہد عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے خسران کی دعویٰ کرنے کے بعد اس کو فلاح کائنات کے لئے چار

بنیادی اصول عطا کیے ہیں کہ ان پر چل کر وہ خسران سے حفاظت میں آسکتا ہے۔
ا۔ ایمان: اطمینان قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والا دل۔ پریشانی، احتیاج اور مصائب کے وقت جس ذات کا سہارا لیا جائے جس کی محبت سے قلب مالا مال ہو، تمام مخلوق کے سہاروں کو ترک کر کے صرف ایک ذات مقدس کے سہارے پر بھروسہ کیا جائے یہ ہے ایمان باللہ۔
۲۔ عمل صالح: زندگی کی پوری جدوجہد حسن عمل سے متصف ہو۔ کسی ایک عمل کی بات نہیں کی گئی بلکہ خدا کی عبادت اور اطاعت سے لے کر مخلوق خدا کی خدمت، ان کے ساتھ شفقت اور ان کی نفعہ آوری سب عمل صالح میں شامل ہے۔
۳۔ تواصی بالحق: ایمان اور عمل تو کسی حد تک انفرادی بھی ہوسکتے ہیں مگر حق کے لئے اٹھ کھڑا ہونا، مجاہد بن کر میدان میں کود پڑنا اور انسانوں کو اجتماعی طور پر اس مقصد کے لئے منظم کرنا تواصی حق ہے۔ اسلام میں رہبانیت اور منفرد رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اجتماعیت سے وابستگی اور حق کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا امت مسلمہ کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے۔
۴۔ تواصی بالصبر: طاغوتی نظام توڑنے اور فاسد معاشرہ کو عدل سے تبدیل کرنے کی جدوجہد میں کئی لوگ گھبرا کر پیچھے بھی ہٹ جاتے ہیں ایسے مواقع پر ثابت قدم رہنے اور استقامت کے ساتھ اپنے نظریات پر قائم رہنے کی تلقین کرنا اور اپنے ساتھیوں کے لئے آئیڈیل بننے کی کوشش کرنا "مردان وفاکش" کا کام ہوتا ہے۔ اس اصول پر جم کر آگے بڑھنے سے ہی منزل مراد حاصل ہوسکتی ہے۔ ان چار اصولوں پر قائم رہنے والی نظریاتی انقلابی جماعت خسران سے محفوظ ہوسکتی ہے۔

عبادت کا مظاہرہ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝١ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ (الماعون: ا تا ۲)
"اے نبی! آپ اس شخص کو دیکھا جو جزا اور سزا کی تکذیب کرتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکا دیتا ہے۔ یہی شخص ہے جو مسکین کی خوراک کا انتظام نہیں کرتا۔ ایسا شخص نماز بھی غفلت کے ساتھ ادا کرتا ہے اور اس میں عبادت کا صرف مظاہرہ ہی کرتا ہے یہ تو معمولی چیزوں سے بھی اپنے پڑوسیوں کو محروم رکھتا ہے۔"

جو افراد اور قومیں اپنے ذاتی مفادات کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔ ملت کے افراد کی محتاجی ان کا مسئلہ ہی نہیں ہوتا ایسے افراد بخل کے مرض میں گرفتار ہو کر دولت کے پجاری بن جاتے ہیں۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ہمارا قیامت کے دن پر یقین ہے۔ یتیموں کو ٹھکرانا، مسکینوں کی حاجت روائی نہ کرانا۔ انسانوں کا بھوک اور بدحالی کے وقت سہارا نہ بننا۔ ایسے دولت مند قیامت کے دن کے صاف منکر ہیں۔ ان کی نمازیں، روزے اور عمرے دکھاوے اور ریاکاری کے ہیں یہ تو اس حد تک بخیل اور انسان دشمن ہیں کہ زندگی کی معمولی اشیاء تک بھی مستحق افراد کو دینے کے روادار نہیں ہیں۔ پھر یہ لوگ کس طرح ملت اور معاشرے کے لئے مفید بن سکتے ہیں در حقیقت یہی لوگ قوموں اور ملکوں کے زوال کے بنیادی سبب ہیں۔

خالص توحید

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴ (الاخلاص)

"اے نبی! کہو کہ اللہ کی ذات یگانہ ہے۔ اسے کسی کی بھی احتیاج نہیں۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ نہ کوئی ہستی اس کے درجے اور برابر کی ہوئی۔"

خالص توحید بیان کرنے میں اس سورہ کا کوئی مثال نہیں ہے۔ خدا کے سوا کوئی بھی ہستی "احد" نہیں ہے۔ "احد" صرف خدا کا وجود مقدس ہے۔ اس طرح احدیت کے ساتھ تم "الصمد" بھی صرف وہی ذات برحق ہے جس کی طرف حوائج میں رجوع کیا جائے۔ ساری کائنات جس کی طرف محتاج ہو اور وہ کسی کا ذرہ بھر بھی محتاج نہ ہو وہی ذات الصمد ہے۔ انسان مختلف زمانوں میں اس طرح گمراہ ہو گیا کہ وہ خدا کی مخلوق میں سے بعض برگزیدہ شخصیات کو، بعض مظاہر اور آثار کو اپنا "الٰہ اور معبود" قرار دیا یہ خیالات حق اور حقیقت کے سراسر منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ احد ہے۔ صمد ہے، اس کی اولاد نہیں نہ ہی ماں، باپ اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر اور شریک اختیارات۔ ان تمام باتوں سے پاک منزہ ہے۔ اس خالص توحید پر ہر مسلمان کو کاربند ہونا چاہیئے۔

جسمانی نقصان سے پناہ سے پناہ حاصل کرنا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵ (الفلق)

"اے نبی! آپ کہیں! میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں، اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا ہے اور رات کی تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے۔ اور گرہوں میں سے پھونکنے والیوں کے شر سے اور حاسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔"

فلق کی معنی جدا ہونا ہے۔ جمع بھی رات سے جدا ہوتی ہے۔ اس لئے صبح کے رب کی پناہ حاصل کی گئی ہے۔ غاسق سے مراد رات ہے جب وہ داخل ہوا۔ نفاثات مذکر اور مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی گروہوں میں پھوکنے والے انسانی جسم کو پہنچانے والا نقصان، مخلوق کی ہر شی سے پہنچ سکتا ہے۔ رات کے اندھیروں سے بھی، جادو ٹونے والوں سے بھی۔ نعمتوں پر حسد کرنے والوں میں سے بھی۔ ان نعمتوں کو مٹانے والے دشمنوں سے بھی، ان تمام نقصانات کے ازالے کے لئے کسی عظیم ہستی کی پناہ طلب کرنا لازمی امر ہے۔ یہ سب سے پہلے تعلیم حضرت رسالت مآب ﷺ کو عطا کی گئی اور ان کے ذریعہ امت مسلمہ کو آگاہ کر دیا گیا۔ اب اہل ایمان کو ہر وقت مستعد رہنا چاہیے کہ ظالموں، حاسدوں اور شریروں کی منصوبہ بندی اور ان کے ذلیل ہتھ کنڈوں سے پناہ حاصل کرنے کے لئے رب کریم کی پناہ طلب کرتے رہیں اور جب اس کی پناہ حاصل ہو گئی تو پھر آپ خدائی حصار آ گئے اور اب آپ محفوظ اور مضبوط ہو جائے امن میں داخل ہو گئے۔

روحانی نقصانات سے پناہ طلب کرنا

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِۙ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِۙ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِۙ ۝۳ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ الۡخَنَّاسِۖ ۝۴ الَّذِىۡ يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِۙ ۝۵ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶ (الناس)

"اے نبی! آپ یوں کہیے میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے معبود حقیقی کی، اس وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔"

اس سورہ میں انسان کے اندرونی نظام پر حملہ آور ایسے شیطان سے پناہ حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ مگر وہ ہم پر حملہ کر کے ہمیں سیدھی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہتا ہے انه یراکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم "شیطان اور اس کا پورا قبیلہ تم کو اس جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں ان کو آپ نہیں دیکھ پاتے۔"

انسان پیدا ہوتا ہے تو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ ماں باپ اس کی پرورش کر رہے ہیں مگر جب ان کو شعور حاصل ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ پالنے والا تو رب کریم ہے "رَبِّ النَّاسِ" پھر اس کا حاکم سے واسطہ پڑتا ہے تو اس کو حکم دینے والا تصور کرتا ہے۔ شعور آنے کے بعد سمجھتا ہے کہ وہ تو محض عاجز اور محتاج ہے وہ کیسے میرا حاکم بن سکتا ہے۔ اس لئے کہتا ہے۔ "مَلِكِ النَّاسِ" میرا بادشاہ حقیقی تو خدا ہے۔ اسباب کو متصرف سمجھتا ہے ان کی طرف احتیاج رکھتا ہے۔ مگر جب خالق اسباب پر نگاہ پڑتی ہے اور اسباب کی فنائیت واضح ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ "اِلٰهِ النَّاسِ" توحید کے ان مدارج کا شعور حاصل کرنے کے بعد جب ایک ہستی رب حاکم اور الٰہ بنتی ہے تو پھر اس کی پناہ طلب کرنا لازمی امر ہے۔ ایسے مکار دشمن جیسے ہم دیکھ بھی نہیں سکتے تو اس کے لئے ایک طاقتور ہستی کی پناہ میں آنا لازمی ہے تاکہ دشمن کا کوئی حربہ ہم پر کارگر نہ ہو سکے۔

ان دونوں سورتوں کو "معوذتین" کہا گیا ہے یعنی جن آیات میں پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے قرآن کا پیغام

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر: ۱۷)

کوئی بھی انسان جب اس کتاب الہی کو سمجھنا چاہتا ہو تو اس کو پہلا کام یہ کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے ذہن میں پہلے سے قائم کردہ نظریات، تصورات، موافق اور مخالف خیالات کو نکال کر باہر کردے۔ خالص سمجھنے کا مقصد لے کر کھلی دل کے ساتھ اس کا مطالعہ شروع کردے۔ جو لوگ کچھ مخصوص قسم کے تصورات ذہنی میں لے کر اس کتاب کو پڑھنا شروع کرتے ہیں تو ان کو اپنے، ہی خیالات ان آیات میں نظر آنے لگتے ہیں۔ "فہم القرآن" کی ہوا بھی ان کے پاس نہیں آتی۔ مطالعہ کا یہ طریقہ کسی بھی کتاب کے پڑھنے کے لئے مناسب نہیں ہے۔ خاص طرح سے یہ کتاب الہی تو اس شخص کے لئے اپنے مطالب کا دروازہ کھولتا ہی نہیں۔

پھر جو شخص سرسری طور پر معلومات حاصل کرنا چاہتا تو اس کے لئے تو شاید ایک بار بھی پڑھنا کافی ہے کیونکہ وہ قرآن سے کوئی فیض اور برکات حاصل ہی نہیں کرپائے گا۔ ہاں جو شخص چاہے کہ میں قرآن کی گہرائی میں جائوں اور اس کی روح تک پہنچ جائوں تو اس کو ایک نئی تیاری کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔ وہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک نوٹ بک بھی رکھے اور اس کے خاص مضامین، خاص ہدایات کو نوٹ کرتا جائے۔ اس طریقہ پر جو لوگ قرآن مجید کو پڑھنا چاہتے ہیں وہ لوگ کم از کم پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ دو مرتبہ ضرور قرآن مجید کا مکمل مطالعہ کریں۔ اس طرح ہی قرآن مجید کا نظام فکر و عمل اس کی سمجھ میں آجائے گا۔ قرآن مجید کا شعوری طور پر مطالعہ کرنے والے حضرات اس بات پر نگاہ رکھیں کہ پڑھتے ہوئے قرآن مجید کے تصورات زندگی، تصورات عمل اور انسانی فلاح کے ضروری نکات ان کے سامنے آتے جائیں اور وہ اس کو الگ نوٹ کرتا جائے۔ کسی مقام پر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے یا کوئی الجھن سامنے آئے تو جواب لینے اور ٹھیرنے کی تاخیر نہ کرے بلکہ آگے مطالبہ جاری رکھے۔ آگے کسی مقام پر قرآن مجید اس کی الجھن کا خود جواب دے گا اور اس کی تفصیل اس کے سامنے آئیگی القرآن یفسر بعضہ بعضا "قران مجید ایک مقام کی تفسیر دوسرے مقام پر خود کردیتا ہے۔" اس طرح دو مرتبہ پڑھنے کے بعد تجربہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ کوئی الجھن، مشکل اور سوال رہتا ہی نہیں۔ اطمینان قلب حاصل ہوجاتا ہے۔ اس سلسلے میں مطالعہ کرنے والے انسان کے لئے یہ مشورہ ہے کہ ایک مفہوم کا عنوان لکھ کر آگے اس پر تعلیمات قرآن کی روشنی میں پیپر تیار کرے۔ مثلاً قرآن کا پسندیدہ انسان اور قرآن کا ناپسندیدہ انسان۔

"فلاح انسانیت کے اسباب اور خسران انسانیت کے اسباب، پھر معیشت، معاشرت، سیاست، تمدن، قانون نظم، وحدت، صلح، جنگ کے معاملات وغیرہ عنوانات پر تعلیمات کو ایک بک پر تحریر کرتا جائے۔ اس

طرح اس شخص پر قرآن مجید منکشف ہو تا جائے گا۔

مگر سچی بات یہ ہے کہ کوئی انسان قرآن مجید کی روح کو اس وقت تک نہیں پا سکتا یا قرآن اس کے لئے رہنمائی کی کتاب اس وقت تک نہیں بن سکتی جب کہ وہ انسان وہ کام خود عملًا نہ کرے جس کے لئے قرآن نازل ہوا ہے یہ کتاب محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ دنیا کے عام مروجہ مذہبی کتابوں کی طرح بھی نہیں ہے جس کو کسی مدرسہ یا خانقاہ میں بیٹھ کر اس کی رمزیں سمجھی جائیں۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ جس نے آتے ہی ان خاموش طبع اور کاروبار میں پھنسے ہوئے لوگوں کو یکایک متحرک کر دیا۔ اور وہ اس کتاب کو پڑھتے ہی ظالموں اور سرکشوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے غلاموں کو سرداروں کے طوق غلامی سے آزاد کرایا، انہوں نے لیے ہوئے لوگوں کی سرپرستی کی ان کے سروں پر شفقت کے ہاتھ رکھے اور نام نہاد سرداروں اور آقائوں کو چیلنج دیا کہ اب تمہارا ظلم وجبر نہیں چلے گا۔ ہم انسانیت کی آزادی کے لئے ہر محاذ پر مراحمت کریں گے۔

یہ کتاب الٰہی اپنے پورے نزول کے دور میں اس تحریک اور تحریک کے جانبازوں کی رہنمائی کرتا رہا، ان کو راستہ دکھتا رہا۔ ہر موڑ پر ان کو تسلیاں دیتا رہا تھا تا کہ طاغوتی نظام کو ملیامیٹ کیا جاسکے۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو حق وباطل کی اس کشمکش دائمی کا حصہ ہی نہ بنتے ہوں، جن لوگوں نے حق کی حمایت اور باطل سے مزاحمت کا میدان دیکھا ہی نہ ہو۔ جن لوگوں نے ظلم اور غلامی کے دیواروں کو توڑا ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کو شاید یہ قرآن مجید سمجھ میں ہی نہیں آئے گا۔ ہاں کتنی بار بھی پڑھوں یہ قرآن مجید ان کے لئے اپنا دامن ہر گز نہیں کھولے گا۔

جو قوم یا جو افراد قرآن کے معاشرہ کے قیام کے لئے جدوجہد کے میدان میں موجود نہیں ہوں گے ان کو قرآن ہدایت نہیں کرے گا۔ وہ ذلت کی ٹھوکروں میں پوری زندگی گذار دیں گے مگر فلاح اور کامرانی کی منزل تک ہر گز پہنچ نہیں سکتے۔